بسم الله الرحمن الرحيم

پارہ نمبر 1

سورة البقرة

آیت نمبر 76 - 96

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ
قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٦﴾

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

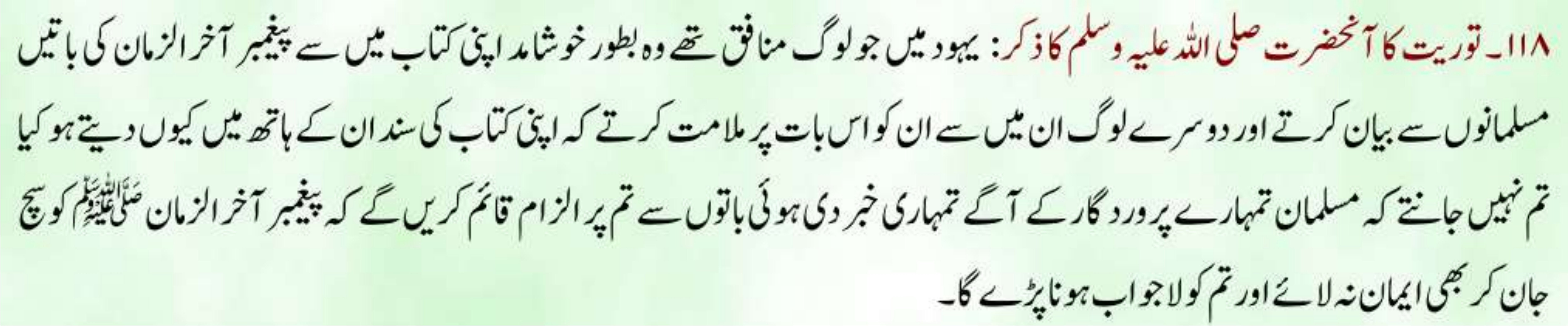

۱۱۸۔ **توریت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر:** یہود میں جو لوگ منافق تھے وہ بطور خوشامد اپنی کتاب میں سے پیغمبر آخر الزمان کی باتیں مسلمانوں سے بیان کرتے اور دوسرے لوگ ان میں سے ان کو اس بات پر ملامت کرتے کہ اپنی کتاب کی سند ان کے ہاتھ میں کیوں دیتے ہو کیا تم نہیں جانتے کہ مسلمان تمہارے پروردگار کے آگے تمہاری خبر دی ہوئی باتوں سے تم پر الزام قائم کریں گے کہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کو سچ جان کر بھی ایمان نہ لائے اور تم کو لاجواب ہونا پڑے گا۔

مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(۵۵) تورات میں آخر زمانے میں آنے والے نبی کی جو پیشینگوئیاں موجود تھیں وہ تمام تر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی تھیں، بعض منافق یہودی جو مسلمانوں کے سامنے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے یہ پیشینگوئیاں مسلمانوں کو سنا دیتے تھے، اس پر دوسرے یہودی تنہائی میں ان کو ملامت کرتے تھے کہ مسلمان ان پیشینگوئیوں کو جان لیں گے تو قیامت میں ہمارے خلاف استعمال کریں گے اور ہمارے پاس ان کا کوئی جواب نہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ انتہائی بے وقوفی کی بات تھی، کیونکہ اگر مسلمانوں سے یہ پیشینگوئیاں چھپا بھی لی جائیں تو اللہ سے تو نہیں چھپ سکتیں۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں بحوالہ : تفسیر دُرِّ منثور و معالم التنزیل) فرماتے ہیں کہ :

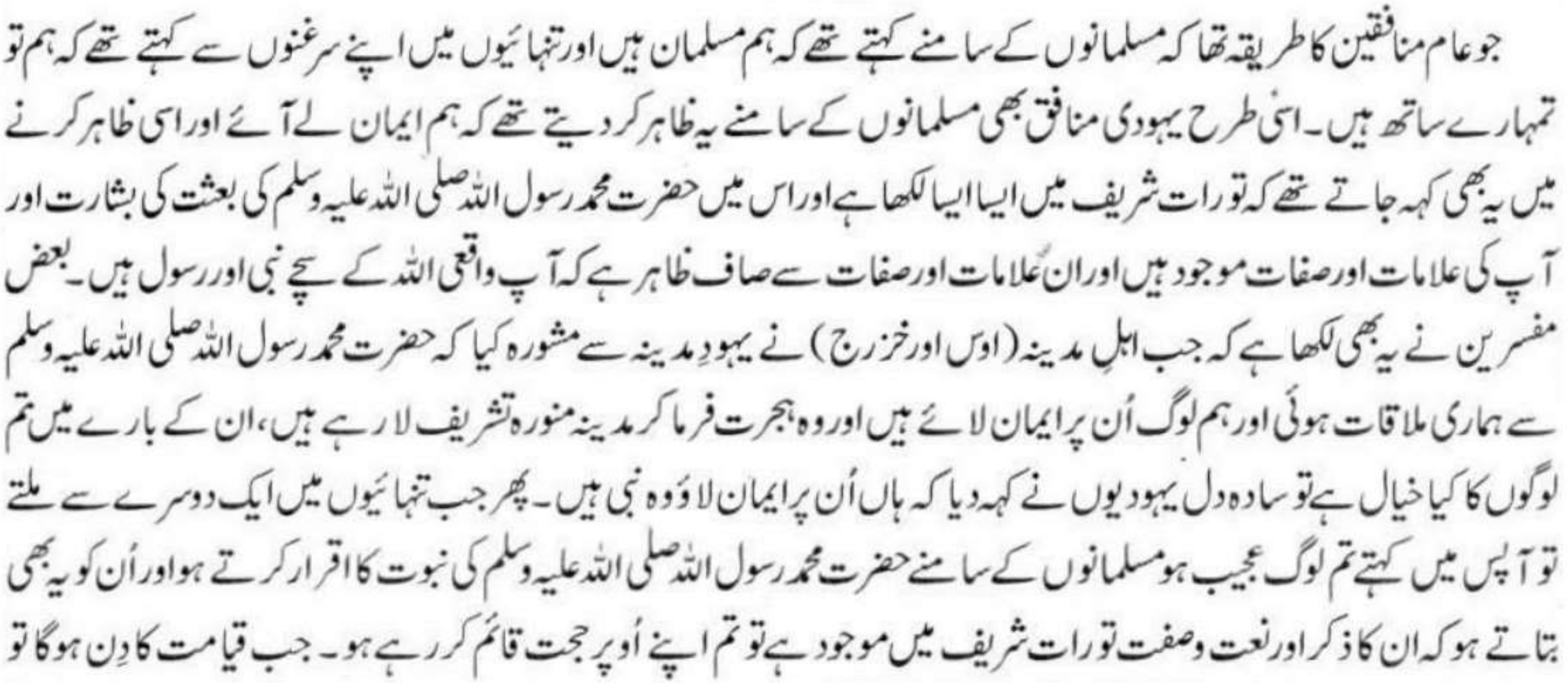

جو عام منافقین کا طریقہ تھا کہ مسلمانوں کے سامنے کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں اور تنہائیوں میں اپنے سرغنوں سے کہتے تھے کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ اسی طرح یہودی منافق بھی مسلمانوں کے سامنے یہ ظاہر کر دیتے تھے کہ ہم ایمان لے آئے اور اسی ظاہر کرنے میں یہ بھی کہہ جاتے تھے کہ تورات شریف میں ایسا ایسا لکھا ہے اور اس میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت اور آپ کی علامات اور صفات موجود ہیں اور ان عُلامات اور صفات سے صاف ظاہر ہے کہ آپ واقعی اللہ کے سچے نبی اور رسول ہیں۔ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب اہلِ مدینہ (اوس اور خزرج) نے یہودِ مدینہ سے مشورہ کیا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری ملاقات ہوئی اور ہم لوگ اُن پر ایمان لائے ہیں اور وہ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لا رہے ہیں، ان کے بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے تو سادہ دل یہودیوں نے کہہ دیا کہ ہاں اُن پر ایمان لاؤ وہ نبی ہیں۔ پھر جب تنہائیوں میں ایک دوسرے سے ملتے تو آپس میں کہتے تم لوگ عجیب ہو مسلمانوں کے سامنے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کرتے ہو اور اُن کو یہ بھی بتاتے ہو کہ ان کا ذکر اور نعت وصفت تورات شریف میں موجود ہے تو تم اپنے اُوپر حجت قائم کر رہے ہو۔ جب قیامت کا دِن ہو گا تو

جاری ہے

مسلمان اللہ پاک کے حضور میں تم پر حجت قائم کر دیں گے اور خود تم اپنے اقرار سے پکڑے جاؤ گے تم نے اُن سے تو کہا کہ واقعی نبی ہیں اور خود ان کی نبوت کو نہ مانا تمہارا اقرار خود تم پر حجت ہو گا لہٰذا ایسی باتیں کیوں کرتے ہو جو تمہارے خلاف حجت بنیں تم اتنی بھی سمجھ نہیں رکھتے خود اپنے اقرار کی چھری سے خود اپنے ذبح کا انتظام کر رہے ہو۔ (درمنثور ص ۸۱ ج ۱ ومعالم التنزیل ص ۸۷ ج ۱)

مولانا ادریس کاندھلویؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

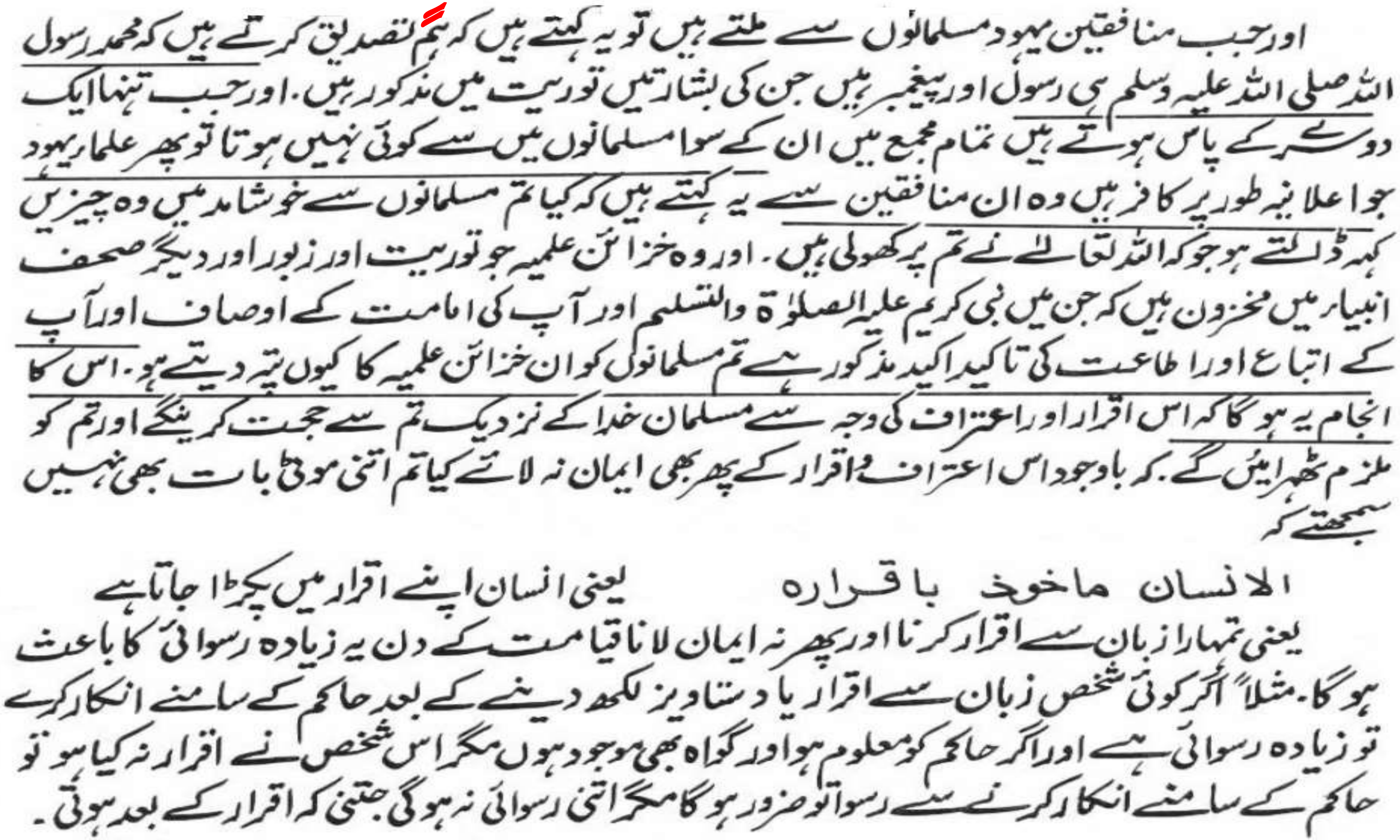

اور جب منافقین یہود مسلمانوں سے ملتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم تصدیق کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی رسول اور پیغمبر ہیں جن کی بشارتیں توریت میں مذکور ہیں۔ اور جب تنہا ایک دوسرے کے پاس ہوتے ہیں تمام مجمع میں ان کے سوا مسلمانوں میں سے کوئی نہیں ہوتا تو پھر علماء یہود جو اعلانیہ طور پر کافر ہیں وہ ان منافقین سے یہ کہتے ہیں کہ کیا تم مسلمانوں سے خوشامد میں وہ چیزیں کہہ ڈالتے ہو جو کہ اللہ تعالےٰ نے تم پر کھولی ہیں۔ اور وہ خزائن علمیہ جو توریت اور زبور اور دیگر صحف انبیاء میں مخزون ہیں کہ جن میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور آپ کی امامت کے اوصاف اور آپ کے اتباع اور اطاعت کی تاکید اکید مذکور ہے تم مسلمانوں کو ان خزائن علمیہ کا کیوں پتہ دیتے ہو۔ اس کا انجام یہ ہوگا کہ اس اقرار اور اعتراف کی وجہ سے مسلمان خدا کے نزدیک تم سے حجت کرینگے اور تم کو ملزم ٹھہرائیں گے۔ کہ باوجود اس اعتراف و اقرار کے پھر بھی ایمان نہ لاتے کیا تم اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے کہ

الانسان ماخوذ باقراره　　　یعنی انسان اپنے اقرار میں پکڑا جاتا ہے

یعنی تمہارا زبان سے اقرار کرنا اور پھر نہ ایمان لانا قیامت کے دن یہ زیادہ رسوائی کا باعث ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص زبان سے اقرار یا دستاویز لکھ دینے کے بعد حاکم کے سامنے انکار کرے تو زیادہ رسوائی ہے اور اگر حاکم کو معلوم ہو اور گواہ بھی موجود ہوں مگر اس شخص نے اقرار نہ کیا ہو تو حاکم کے سامنے انکار کرنے سے رسوا تو ضرور ہوگا مگر اتنی رسوائی نہ ہوگی جتنی کہ اقرار کے بعد ہوتی۔

مولانا مودودیؒ (تفہیم القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

۸۸؎ یعنی وہ آپس میں ایک دُوسرے سے کہتے تھے کہ تورات اور دیگر کتبِ آسمانی میں جو پیشین گوئیاں اِس نبی کے متعلق موجود ہیں، یا جو آیات اور تعلیمات ہماری مقدس کتابوں میں ایسی ملتی ہیں جن سے ہماری موجودہ روش پر گرفت ہو سکتی ہے، انہیں مسلمانوں کے سامنے بیان نہ کرو، ورنہ یہ تمہارے رب کے سامنے ان کو تمہارے خلاف حجّت کے طور پر پیش کریں گے۔ یہ تھا اللہ کے متعلق ان ظالموں کے فسادِ عقیدہ کا حال۔ گویا وہ اپنے نزدیک یہ سمجھتے تھے کہ اگر دُنیا میں وہ اپنی تحریفات اور اپنی حق پوشی کو چُھپا لے گئے، تو آخرت میں ان پر مقدمہ نہ چل سکے گا۔ اِسی لیے بعد کے جملۂ معترضہ میں ان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ کیا تم اللہ کو بے خبر سمجھتے ہو۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ (تیسیر القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

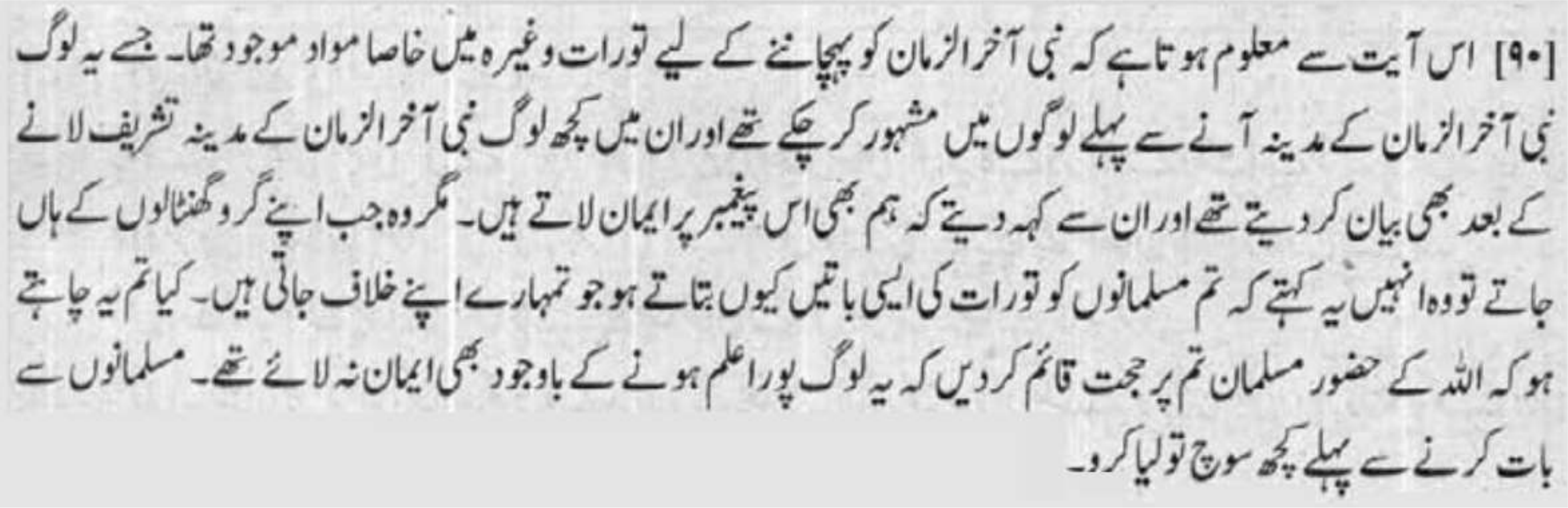

[۹۰] اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی آخرالزمان کو پہچاننے کے لیے تورات وغیرہ میں خاصا مواد موجود تھا۔ جسے یہ لوگ نبی آخرالزمان کے مدینہ آنے سے پہلے لوگوں میں مشہور کر چکے تھے اور ان میں کچھ لوگ نبی آخرالزمان کے مدینہ تشریف لانے کے بعد بھی بیان کر دیتے تھے اور ان سے کہہ دیتے کہ ہم بھی اس پیغمبر پر ایمان لاتے ہیں۔ مگر وہ جب اپنے گرو گھنٹالوں کے ہاں جاتے تو وہ انہیں یہ کہتے کہ تم مسلمانوں کو تورات کی ایسی باتیں کیوں بتاتے ہو جو تمہارے اپنے خلاف جاتی ہیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ کے حضور مسلمان تم پر حجت قائم کر دیں کہ یہ لوگ پورا علم ہونے کے باوجود بھی ایمان نہ لائے تھے۔ مسلمانوں سے بات کرنے سے پہلے کچھ سوچ تولیا کرو۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

اَوَلَا يَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ۷۷

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

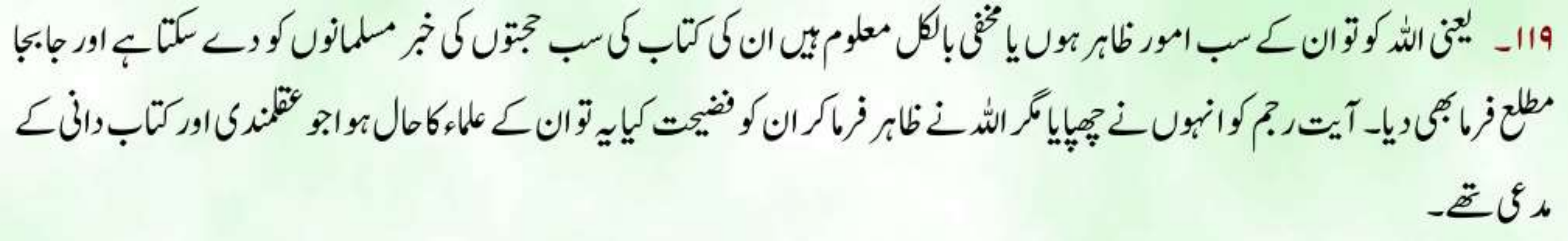

۱۱۹۔ یعنی اللہ کو تو ان کے سب امور ظاہر ہوں یا مخفی بالکل معلوم ہیں ان کی کتاب کی سب حجتوں کی خبر مسلمانوں کو دے سکتا ہے اور جابجا مطلع فرما بھی دیا۔ آیت رجم کو انہوں نے چھپایا مگر اللہ نے ظاہر فرما کر ان کو فضیحت کیا یہ تو ان کے علماء کا حال ہوا جو عقلمندی اور کتاب دانی کے مدعی تھے۔

فضیحت: ذلّت، رسوائی

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

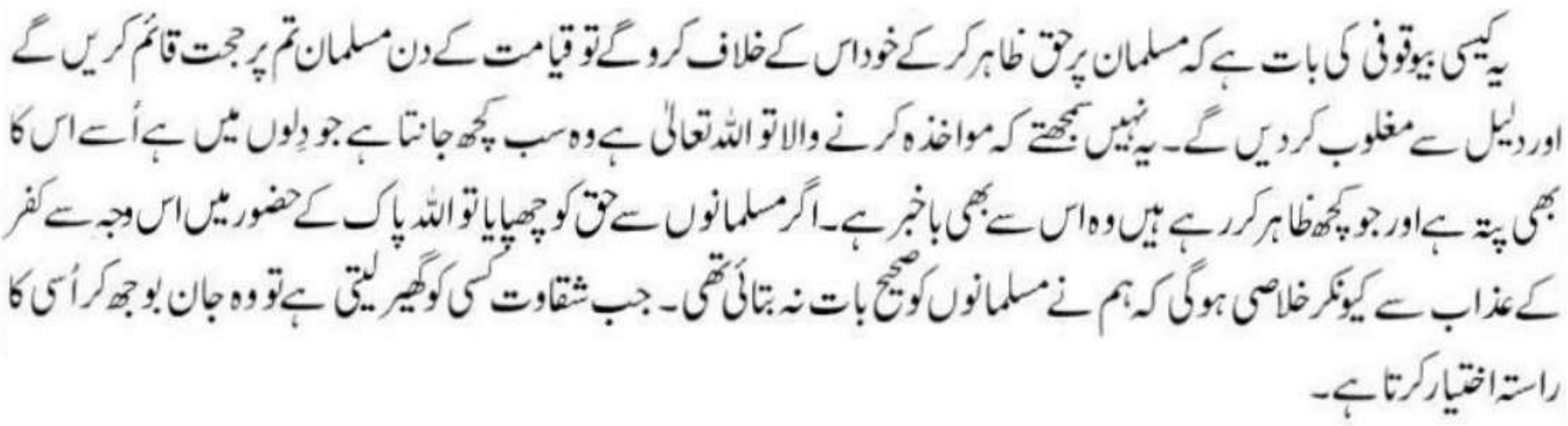

یہ کیسی بیوقوفی کی بات ہے کہ مسلمان پر حق ظاہر کر کے خود اس کے خلاف کرو گے تو قیامت کے دن مسلمان تم پر حجت قائم کریں گے اور دلیل سے مغلوب کر دیں گے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ مواخذہ کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے وہ سب کچھ جانتا ہے جو دِلوں میں ہے اُسے اس کا بھی پتہ ہے اور جو کچھ ظاہر کر رہے ہیں وہ اس سے بھی باخبر ہے۔ اگر مسلمانوں سے حق کو چھپایا تو اللہ پاک کے حضور میں اس وجہ سے کفر کے عذاب سے کیونکر خلاصی ہوگی کہ ہم نے مسلمانوں کو صحیح بات نہ بتائی تھی۔ جب شقاوت کسی کو گھیر لیتی ہے تو وہ جان بوجھ کر اُسی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔

مولانا ادریس کاندھلویؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

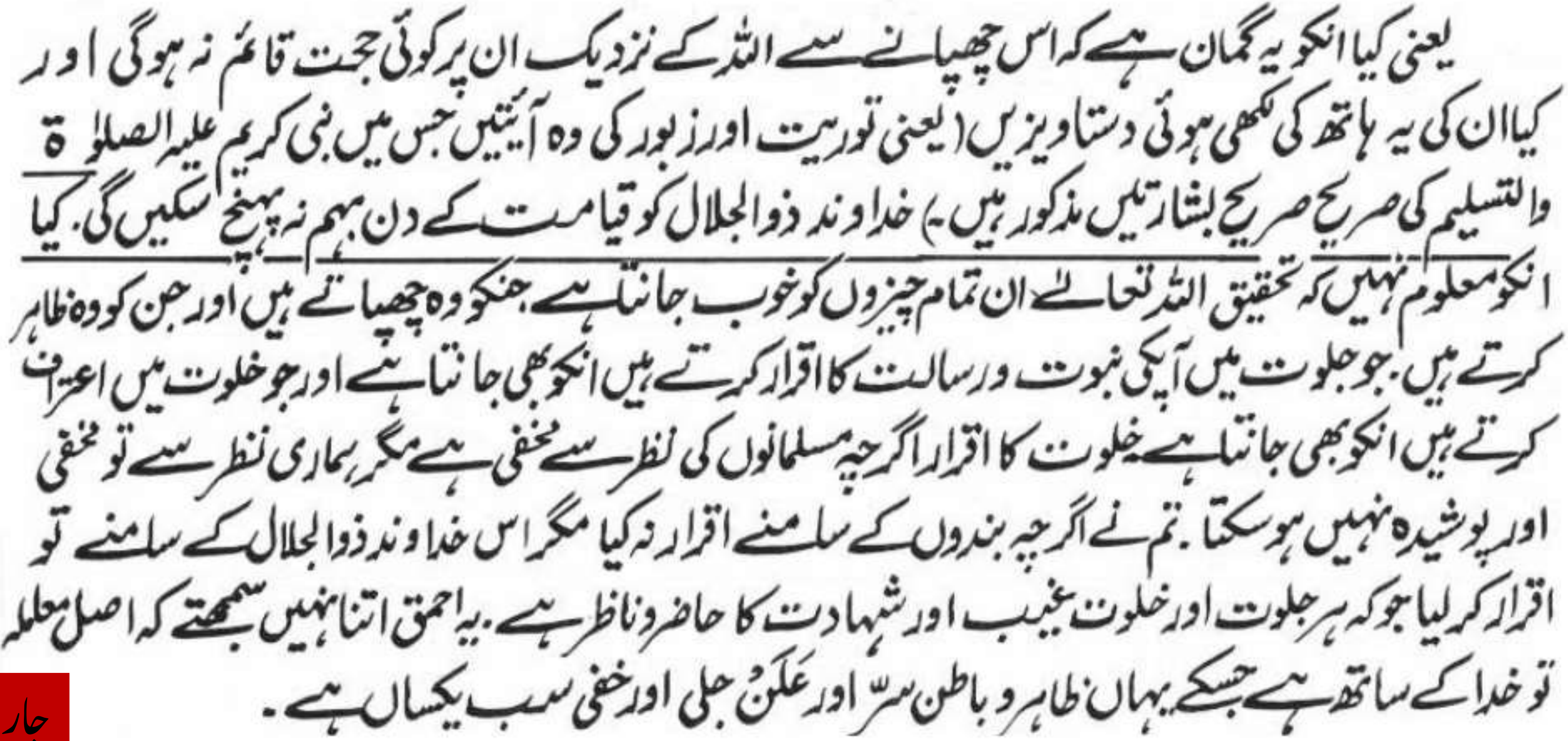

یعنی کیا انکو یہ گمان ہے کہ اس چھپانے سے اللہ کے نزدیک ان پر کوئی حجت قائم نہ ہوگی اور کیا ان کی یہ ہاتھ کی لکھی ہوئی دستاویزیں (یعنی توریت اور زبور کی وہ آئیتیں جس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی صریح صریح بشارتیں مذکور ہیں۔) خداوند ذوالجلال کو قیامت کے دن بہم نہ پہنچ سکیں گی. کیا انکو معلوم نہیں کہ تحقیق اللہ تعالے ان تمام چیزوں کو خوب جانتا ہے. جنکو وہ چھپاتے ہیں اور جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں. جو جلوت میں آپکی نبوت و رسالت کا اقرار کرتے ہیں انکو بھی جانتا ہے اور جو خلوت میں اعتراف کرتے ہیں انکو بھی جانتا ہے خلوت کا اقرار اگرچہ مسلمانوں کی نظر سے مخفی ہے مگر ہماری نظر سے تو مخفی اور پوشیدہ نہیں ہو سکتا. تم نے اگرچہ بندوں کے سامنے اقرار نہ کیا مگر اس خداوند ذوالجلال کے سامنے تو اقرار کر لیا جو کہ ہر جلوت اور خلوت غیب اور شہادت کا حاضر و ناظر ہے. یہ احمق اتنا نہیں سمجھتے کہ اصل معاملہ تو خدا کے ساتھ ہے جسکے یہاں ظاہر و باطن سرّ اور علنؔ جلی اور خفی سب یکساں ہے.

جاری ہے

تنبیہ توریت اور انجیل کی تحریف کے متعلق حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ "اعجاز عیسوی" ملاحظہ فرمادیں جو اس باب میں بے نظیر ہے۔

رسالہ موصوفہ میں اس امر کو نہایت بسط و شرح سے ثابت فرمایا ہے کہ توریت اور انجیل میں ہر قسم کی تحریف ہوئی ہے لفظی بھی اور معنوی بھی. کمی اور بیشی زیادتی اور نقصان۔ تغیر اور تبدیل غرض یہ کہ تحریف کی کوئی نوع ایسی نہیں کہ جس سے توریت و انجیل خالی ہو۔

یہ رسالہ اردو زبان میں ہے. مولانا موصوف کی دوسری کتاب اظہار الحق جو عربی زبان میں ہے اس میں بھی تحریف توریت و انجیل کی کافی اور شافی تحقیق فرمائی۔ اور بہت سے علماء یہود نصاریٰ بھی تحریف لفظی کے مقر اور معترف ہیں حضرات اہل علم اسکی مراجعت فرمائیں۔

(ربط) ان آیات میں یہود کے خواندہ لوگوں کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں ان کے ناخواندوں کا کا ذکر کرتے ہیں

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

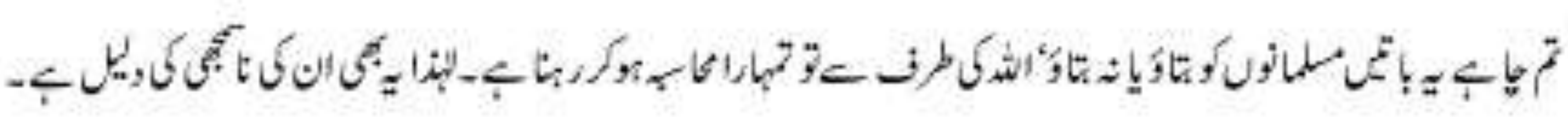

تم چاہے یہ باتیں مسلمانوں کو بتاؤ یا نہ بتاؤ، اللہ کی طرف سے تو تمہارا محاسبہ ہو کر رہنا ہے۔ لہٰذا یہ بھی ان کی ناسمجھی کی دلیل ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ (تیسیر القرآن میں) فرماتے ہیں کہ :

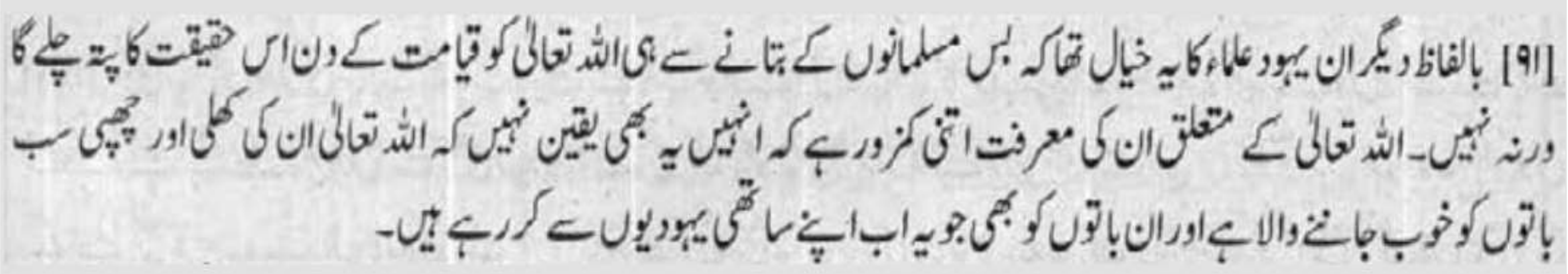

[۹۱] بالفاظ دیگر ان یہود علماء کا یہ خیال تھا کہ بس مسلمانوں کے بتانے سے ہی اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن اس حقیقت کا پتہ چلے گا ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق ان کی معرفت اتنی کمزور ہے کہ انہیں یہ بھی یقین نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی کھلی اور چھپی سب باتوں کو خوب جاننے والا ہے اور ان باتوں کو بھی جو یہ اب اپنے ساتھی یہودیوں سے کر رہے ہیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَمِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِىَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ (٧٨)

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

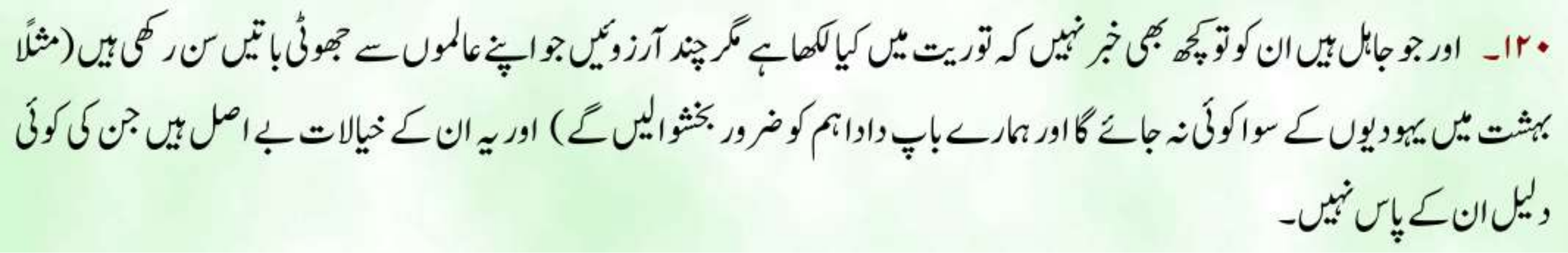

۱۲۰۔ اور جو جاہل ہیں ان کو تو کچھ بھی خبر نہیں کہ توریت میں کیا لکھا ہے مگر چند آرزوئیں جو اپنے عالموں سے جھوٹی باتیں سن رکھی ہیں (مثلاً بہشت میں یہودیوں کے سوا کوئی نہ جائے گا اور ہمارے باپ دادا ہم کو ضرور بخشوا لیں گے) اور یہ ان کے خیالات بے اصل ہیں جن کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ (تفسیر ماجدی میں) فرماتے ہیں کہ:

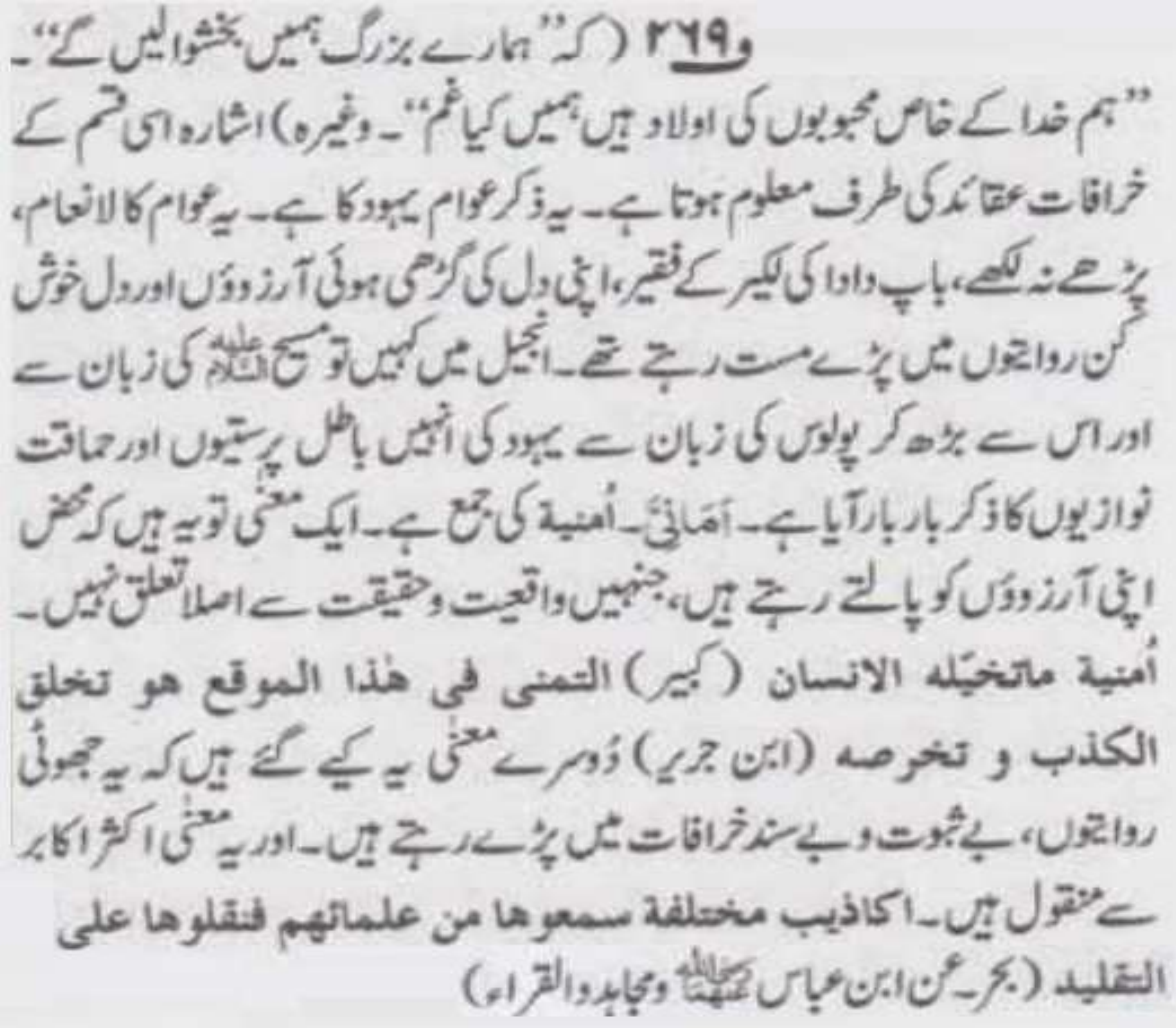

و۲۶۹ (کہ "ہمارے بزرگ ہمیں بخشوالیں گے"۔ "ہم خدا کے خاص محبوبوں کی اولاد ہیں ہمیں کیا غم"۔ وغیرہ) اشارہ اسی قسم کے خرافات عقائد کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ یہ ذکر عوام یہود کا ہے۔ یہ عوام کالانعام، پڑھے نہ لکھے، باپ دادا کی لکیر کے فقیر، اپنی دل کی گڑھی ہوئی آرزوؤں اور دل خوش کن رواتیوں میں پڑے مست رہتے تھے۔ انجیل میں کہیں تو مسیح علیہ السلام کی زبان سے اور اس سے بڑھ کر پولوس کی زبان سے یہود کی انہیں باطل پرستیوں اور حماقت نوازیوں کا ذکر بار بار آیا ہے۔ اَمَانِیَّ۔ اُمنیۃ کی جمع ہے۔ ایک معنی تو یہ ہیں کہ محض اپنی آرزوؤں کو پالتے رہتے ہیں، جنہیں واقعیت و حقیقت سے اصلاً تعلق نہیں۔ اُمنیة ماتخیّله الانسان (کبیر) التمنی فی هٰذا الموقع هو تخلق الکذب و تخرصه (ابن جریر) دُوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ یہ جھوٹی رواتیوں، بے ثبوت و بے سند خرافات میں پڑے رہتے ہیں۔ اور یہ معنی اکثر اکابر سے منقول ہیں۔ اکاذیب مختلفة سمعوها من علمائهم فنقلوها علی التقلید (بحر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ومجاہد والفراء)

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی ؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ :

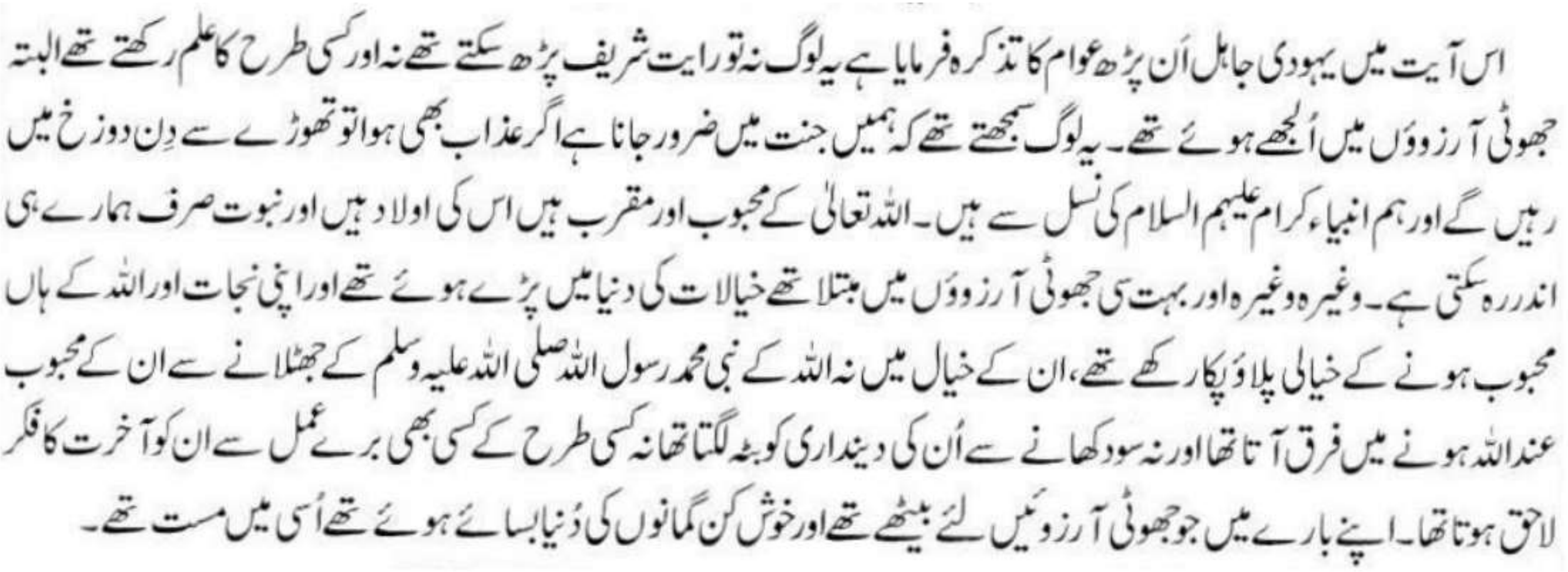

اس آیت میں یہودی جاہل اَن پڑھ عوام کا تذکرہ فرمایا ہے یہ لوگ نہ توراۃ شریف پڑھ سکتے تھے نہ اور کسی طرح کا علم رکھتے تھے البتہ جھوٹی آرزوؤں میں اُلجھے ہوئے تھے۔ یہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہمیں جنت میں ضرور جانا ہے اگر عذاب بھی ہوا تو تھوڑے سے دِن دوزخ میں رہیں گے اور ہم انبیاء کرام علیہم السلام کی نسل سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقرب ہیں اس کی اولاد ہیں اور نبوت صرف ہمارے ہی اندر رہ سکتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ اور بہت سی جھوٹی آرزوؤں میں مبتلا تھے خیالات کی دنیا میں پڑے ہوئے تھے اور اپنی نجات اور اللہ کے ہاں محبوب ہونے کے خیالی پلاؤ پکا رکھے تھے، ان کے خیال میں نہ اللہ کے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھٹلانے سے ان کے محبوب عنداللہ ہونے میں فرق آتا تھا اور نہ سود کھانے سے اُن کی دینداری کو بٹہ لگتا تھا نہ کسی طرح کے کسی بھی برے عمل سے ان کو آخرت کا فکر لاحق ہوتا تھا۔ اپنے بارے میں جو جھوٹی آرزوئیں لئے بیٹھے تھے اور خوش کن گمانوں کی دُنیا بسائے ہوئے تھے اُسی میں مست تھے۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

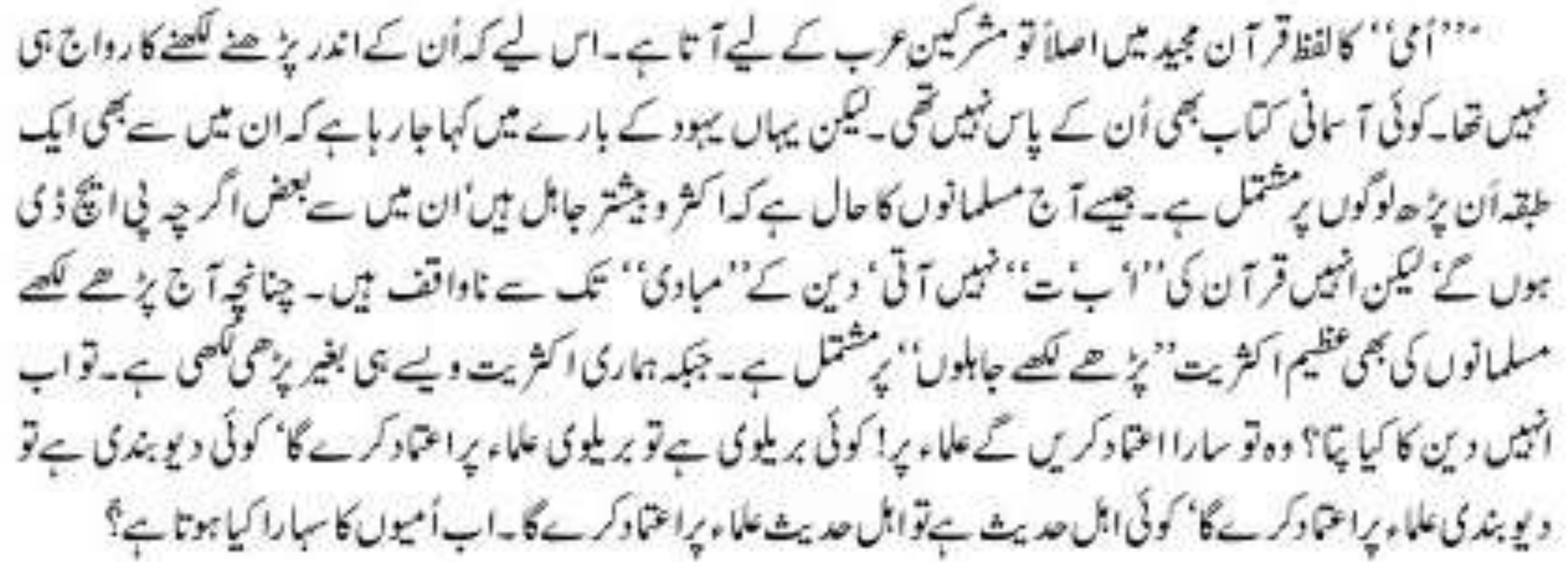

''اُمّی'' کا لفظ قرآن مجید میں اصلاً تو مشرکین عرب کے لیے آتا ہے۔ اس لیے کہ اُن کے اندر پڑھنے لکھنے کا رواج ہی نہیں تھا۔ کوئی آسمانی کتاب بھی اُن کے پاس نہیں تھی۔ لیکن یہاں یہود کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ ان میں سے بھی ایک طبقہ اَن پڑھ لوگوں پر مشتمل ہے۔ جیسے آج مسلمانوں کا حال ہے کہ اکثر و بیشتر جاہل ہیں، ان میں سے بعض اگرچہ پی ایچ ڈی ہوں گے، لیکن انھیں قرآن کی ''اَ بْ تْ'' نہیں آتی، دین کے ''مبادی'' تک سے ناواقف ہیں۔ چنانچہ آج پڑھے لکھے مسلمانوں کی بھی عظیم اکثریت ''پڑھے لکھے جاہلوں'' پر مشتمل ہے۔ جبکہ ہماری اکثریت ویسے ہی بغیر پڑھی لکھی ہے۔ تو اب انھیں دین کا کیا پتا؟ وہ تو سارا اعتماد کریں گے علماء پر! کوئی بریلوی ہے تو بریلوی علماء پر اعتماد کرے گا، کوئی دیوبندی ہے تو دیوبندی علماء پر اعتماد کرے گا، کوئی اہل حدیث ہے تو اہل حدیث علماء پر اعتماد کرے گا۔ اب اُمیوں کا سہارا کیا ہوتا ہے؟

جاری ہے

﴿لَا یَعۡلَمُوۡنَ الۡکِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِیَّ﴾ ”وہ کتاب کا علم نہیں رکھتے‘ سوائے بے بنیاد آرزوؤں کے“
ایسے لوگ کتاب سے تو واقف نہیں ہوتے‘ بس اپنی کچھ خواہشات اور آرزوؤں پر تکیہ کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان خواہشات کا ذکر آگے آ جائے گا۔ یہود کو یہ زعم تھا کہ ہم تو اسرائیلی ہیں‘ ہم اللہ کے محبوب ہیں اور اس کے بیٹوں کی مانند چہیتے ہیں‘ ہماری تو شفاعت ہو ہی جائے گی۔ ہمیں تو جہنم میں داخل کیا بھی گیا تو تھوڑے سے عرصے کے لیے کیا جائے گا‘ پھر ہمیں نکال لیا جائے گا۔ یہ ان کی ”اَمَانِیَّ“ ہیں۔ ”اُمۡنِیَّۃٌ“ کہتے ہیں بے بنیاد خواہش کو‘ اَمَانِیَّ اس کی جمع ہے۔ اس کی صحیح تعبیر کے لیے انگریزی کا لفظ wishful thinkings ہے۔ یہ اپنی ان بے بنیاد خواہشات اور جھوٹی آرزوؤں کے سہارے جی رہے ہیں‘ کتاب کا علم ان کے پاس ہے ہی نہیں۔

﴿وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا یَظُنُّوۡنَ (۷۸)﴾ ”اور وہ کچھ نہیں کر رہے مگر ظن و تخمین پر چلے جا رہے ہیں۔“
ان کے پاس محض وہم و گمان اور ان کے اپنے من گھڑت خیالات ہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ (تدبُّر قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

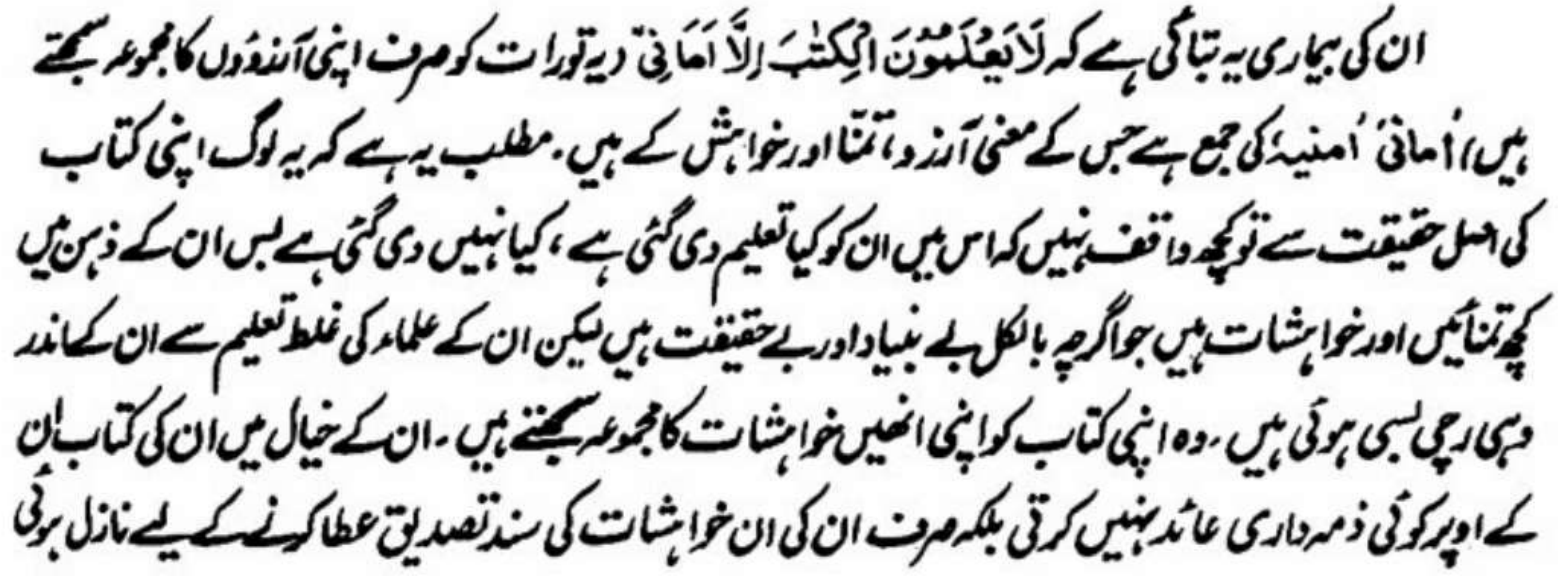

ان کی بیماری یہ بتائی ہے کہ لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِیَّ (یہ تورات کو صرف اپنی آرزوؤں کا مجموعہ سمجھتے ہیں)، 'اَمانی' 'اُمنیۃ' کی جمع ہے جس کے معنی آرزو، تمنا اور خواہش کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی کتاب کی اصل حقیقت سے تو کچھ واقف نہیں کہ اس میں ان کو کیا تعلیم دی گئی ہے، کیا نہیں دی گئی ہے بس ان کے ذہن میں کچھ تمنائیں اور خواہشات ہیں جو اگرچہ بالکل بے بنیاد اور بے حقیقت ہیں لیکن ان کے علماء کی غلط تعلیم سے ان کے اندر دہی رچی بسی ہوئی ہیں۔ وہ اپنی کتاب کو انھیں خواہشات کا مجموعہ سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں ان کی کتاب ان کے اوپر کوئی ذمہ داری عائد نہیں کرتی بلکہ صرف ان کی ان خواہشات کی سند تصدیق عطا کرنے کے لیے نازل ہوئی

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ يَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ بِاَيۡدِيۡهِمۡ ۗ ثُمَّ يَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا
مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ لِيَشۡتَرُوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ
اَيۡدِيۡهِمۡ وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۷۹﴾

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ :

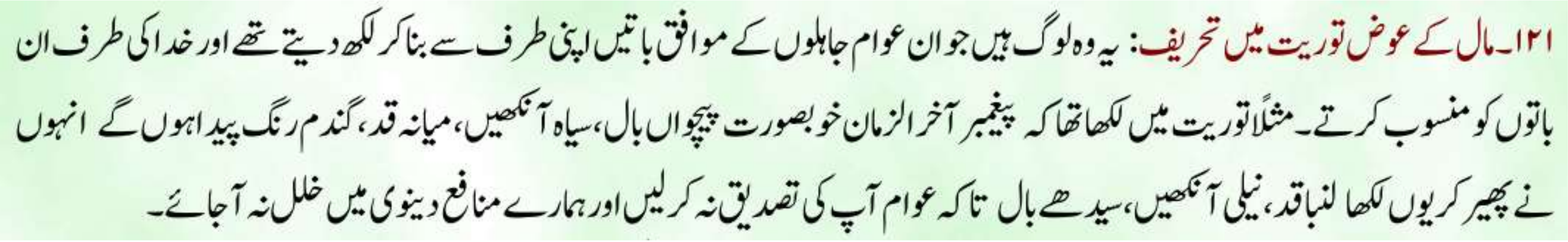

۱۲۱۔ **مال کے عوض توریت میں تحریف:** یہ وہ لوگ ہیں جو ان عوام جاہلوں کے موافق باتیں اپنی طرف سے بنا کر لکھ دیتے تھے اور خدا کی طرف ان باتوں کو منسوب کرتے۔ مثلاً توریت میں لکھا تھا کہ پیغمبر آخر الزمان خوبصورت پیچواں بال، سیاہ آنکھیں، میانہ قد، گندم رنگ پیدا ہوں گے انہوں نے پھیر کر یوں لکھا لنبا قد، نیلی آنکھیں، سیدھے بال تا کہ عوام آپ کی تصدیق نہ کر لیں اور ہمارے منافع دینوی میں خلل نہ آجائے۔

مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(۵۶) یہاں قرآنِ کریم نے ترتیب یہ رکھی ہے کہ پہلے ان یہودی علماء کا ذکر فرمایا ہے جو تورات میں جان بوجھ کر رَدّ و بدل کرتے تھے، پھر اُن اَن پڑھ یہودیوں کا جنہیں تورات کا علم تو تھا نہیں، مگر انہیں مذکورہ بالا علماء نے اِن جھوٹی آرزوؤں میں مبتلا کر رکھا تھا کہ سارے یہودی اللہ کے لاڈلے ہیں، اور وہ بہر صورت جنت میں جائیں گے۔ ان کا سارا علم اسی قسم کے گمانوں پر مشتمل تھا۔ چونکہ ان کے اس گمان کی بنیادی وجہ علماء کی تحریفات تھیں اس لئے آیت ۸۶ میں ان کی تباہی کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

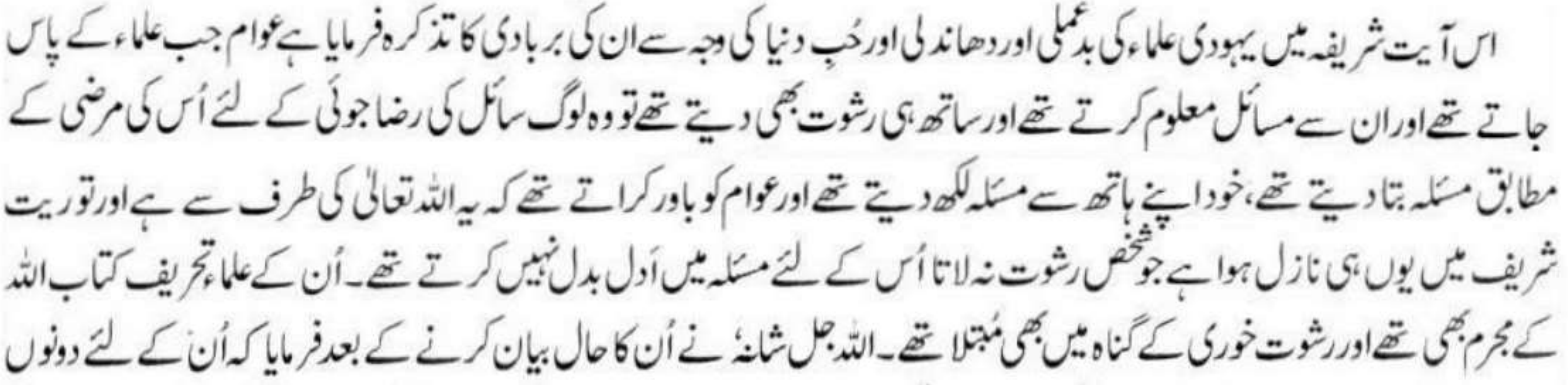

اس آیت شریفہ میں یہودی علماء کی بدعملی اور دھاندلی اور حُبِ دنیا کی وجہ سے ان کی بربادی کا تذکرہ فرمایا ہے عوام جب علماء کے پاس جاتے تھے اور ان سے مسائل معلوم کرتے تھے اور ساتھ ہی رشوت بھی دیتے تھے تو وہ لوگ سائل کی رضاجوئی کے لئے اُس کی مرضی کے مطابق مسئلہ بتادیتے تھے، خود اپنے ہاتھ سے مسئلہ لکھ دیتے تھے اور عوام کو باور کراتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور توریت شریف میں یوں ہی نازل ہوا ہے جو شخص رشوت نہ لاتا اُس کے لئے مسئلہ میں اَدل بدل نہیں کرتے تھے۔ اُن کے علماء تحریف کتاب اللہ کے مجرم بھی تھے اور رشوت خوری کے گناہ میں بھی مُبتلا تھے۔ اللہ جل شانہٗ نے اُن کا حال بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اُن کے لئے دونوں

وجہ سے ہلاکت اور بربادی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف کرنے کی وجہ سے بھی اور اس وجہ سے بھی کہ وہ حرام مال کماتے ہیں اور باقی رہنے والی آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں حقیر دنیا کی کچھ نقدی لینے پر راضی ہیں۔ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اپنے عوام کو بھی اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور صفت جو توریت شریف میں موجود پاتے تھے اُسے واضح طور پر بتاتے تو اس میں ممکن تھا کہ ظاہری دنیا میں کمی ہو جاتی لیکن آخرت کے ثواب سے مالا مال ہو جاتے لیکن اُنہوں نے حقیر دنیا کو ترجیح دی اور تھوڑے سے فانی کے مقابلہ میں آخرت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور مستحق عذاب ہوئے۔ ان کے عوام میں اگرچہ بے پڑھے لوگ بھی تھے لیکن اتنا تو ہر عقلمند سمجھتا ہے کہ جو شخص پیسہ لے کر ایک بات بتاتا ہے اور جو پیسہ نہ دے اسے دوسری بات بتاتا ہے ایسا شخص کیسے اہلِ حق ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص پر دین میں اعتماد کرنا سراسر حماقت ہے۔ جس میں سراسر ہلاکت ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

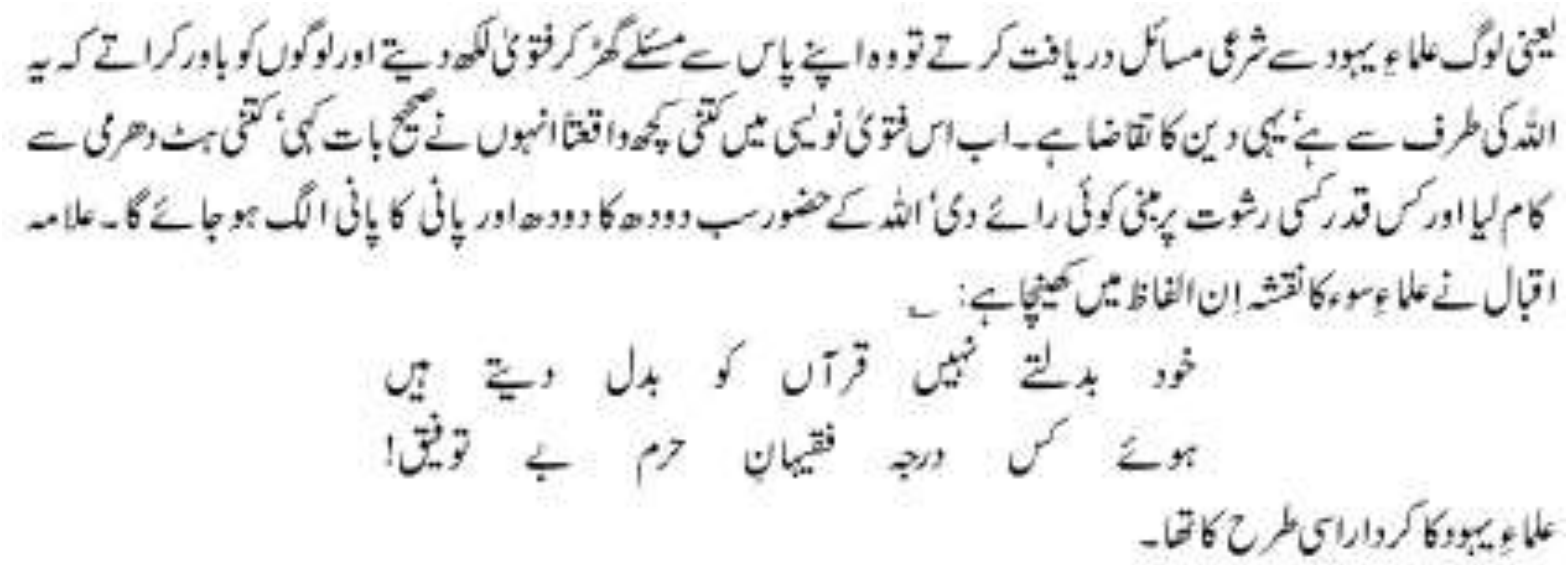

یعنی لوگ علماءِ یہود سے شرعی مسائل دریافت کرتے تو وہ اپنے پاس سے مسئلے گھڑ کر فتویٰ لکھ دیتے اور لوگوں کو باور کراتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، یہی دین کا تقاضا ہے۔ اب اس فتویٰ نویسی میں کتنی کچھ واقعتاً انہوں نے صحیح بات کہی، کتنی ہٹ دھرمی سے کام لیا اور کس قدر کسی رشوت پر مبنی کوئی رائے دی، اللہ کے حضور سب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔ علامہ اقبال نے علماءِ سوء کا نقشہ اِن الفاظ میں کھینچا ہے: ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!

علماءِ یہود کا کردار اسی طرح کا تھا۔

جاری ہے

﴿فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ﴾ ’’تو ہلاکت اور بربادی ہے ان کے لیے اس چیز سے کہ جو اُن کے ہاتھوں نے لکھی‘‘

﴿وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ (٧٩)﴾ ’’اور اُن کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے اس کمائی سے جو وہ کر رہے ہیں۔‘‘

یہ فتویٰ فروشی اور دین فروشی کا جو سارا دھندا ہے اس سے وہ اپنے لیے تباہی اور بربادی مول لے رہے ہیں‘ اس سے اُن کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ اب آگے ان کی بعض ’’اَمانی‘‘ کا تذکرہ ہے۔

مولانا ابو نعمان سیف اللہ خالدؒ (دعوۃ القرآن میں) فرماتے ہیں کہ :

علمائے یہود کے لیے وعید کا ذکر ہو رہا ہے جو تورات کی آیات اور اس کے احکام کو دنیا کی حقیر متاع کی خاطر بدل دیتے تھے اور تحریف کردہ کلام کے بارے میں لوگوں کو باور کراتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ حق بات کو ظاہر نہیں کرتے تھے کہ مبادا ان کے عقیدت مند ان سے متنفر ہو جائیں اور ان کے نذرانے بند ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے بڑی خرابی اور عذاب کی وعید سنائی۔ ارشاد فرمایا: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ [البقرۃ : ۱۷٤] ”بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو اللہ نے کتاب میں سے اتارا ہے اور اس کے بدلے تھوڑی قیمت حاصل کرتے ہیں، یہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ نہیں کھا رہے اور نہ اللہ ان سے قیامت کے دن بات کرے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ
عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٨٠

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ :

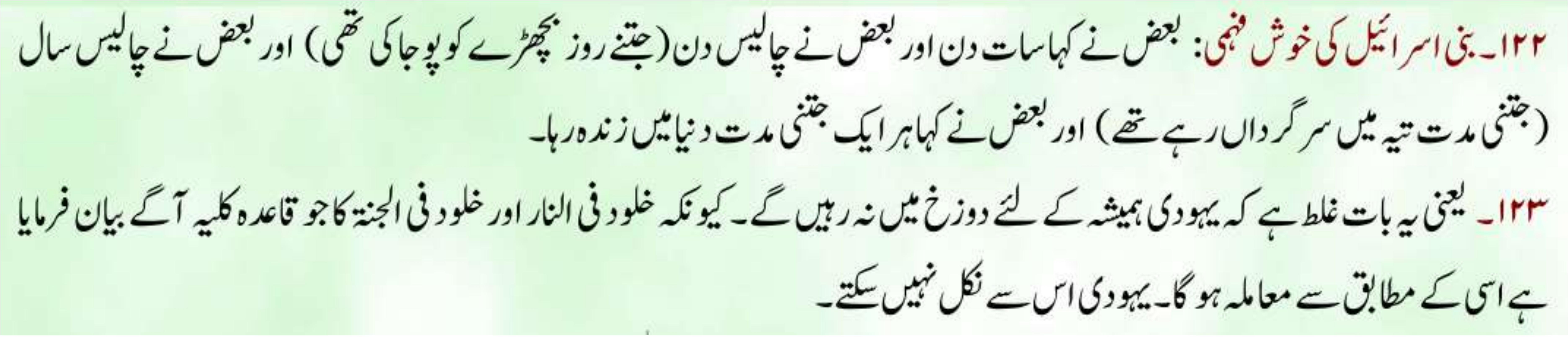

۱۲۲۔ **بنی اسرائیل کی خوش فہمی:** بعض نے کہا سات دن اور بعض نے چالیس دن (جتنے روز بچھڑے کو پوجا کی تھی) اور بعض نے چالیس سال (جتنی مدت تیہ میں سر گرداں رہے تھے) اور بعض نے کہا ہر ایک جتنی مدت دنیا میں زندہ رہا۔

۱۲۳۔ یعنی یہ بات غلط ہے کہ یہودی ہمیشہ کے لئے دوزخ میں نہ رہیں گے۔ کیونکہ خلود فی النار اور خلود فی الجنۃ کا جو قاعدہ کلیہ آگے بیان فرمایا ہے اسی کے مطابق سے معاملہ ہو گا۔ یہودی اس سے نکل نہیں سکتے۔

مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنیؒ (گلدستہ تفسیر میں) فرماتے ہیں کہ:

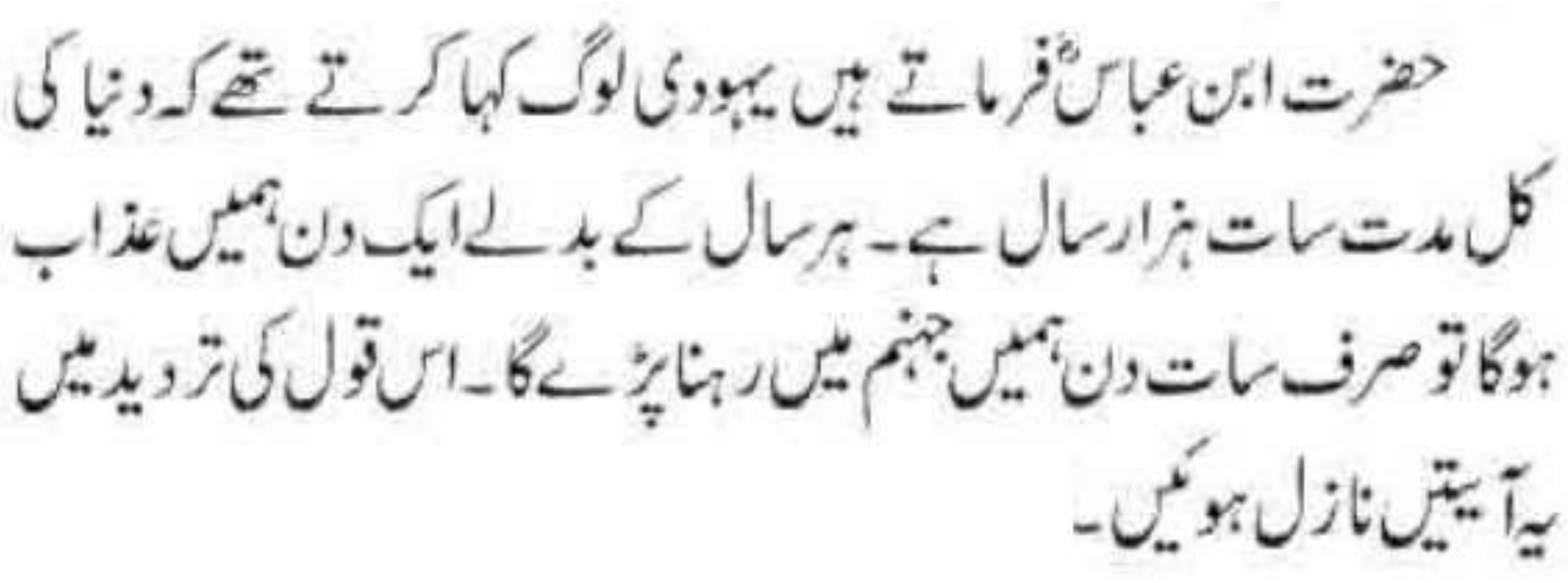

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہودی لوگ کہا کرتے تھے کہ دنیا کی کل مدت سات ہزار سال ہے۔ ہر سال کے بدلے ایک دن ہمیں عذاب ہوگا تو صرف سات دن ہمیں جہنم میں رہنا پڑے گا۔ اس قول کی تردید میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ (تفسیر ماجدی میں) فرماتے ہیں کہ:

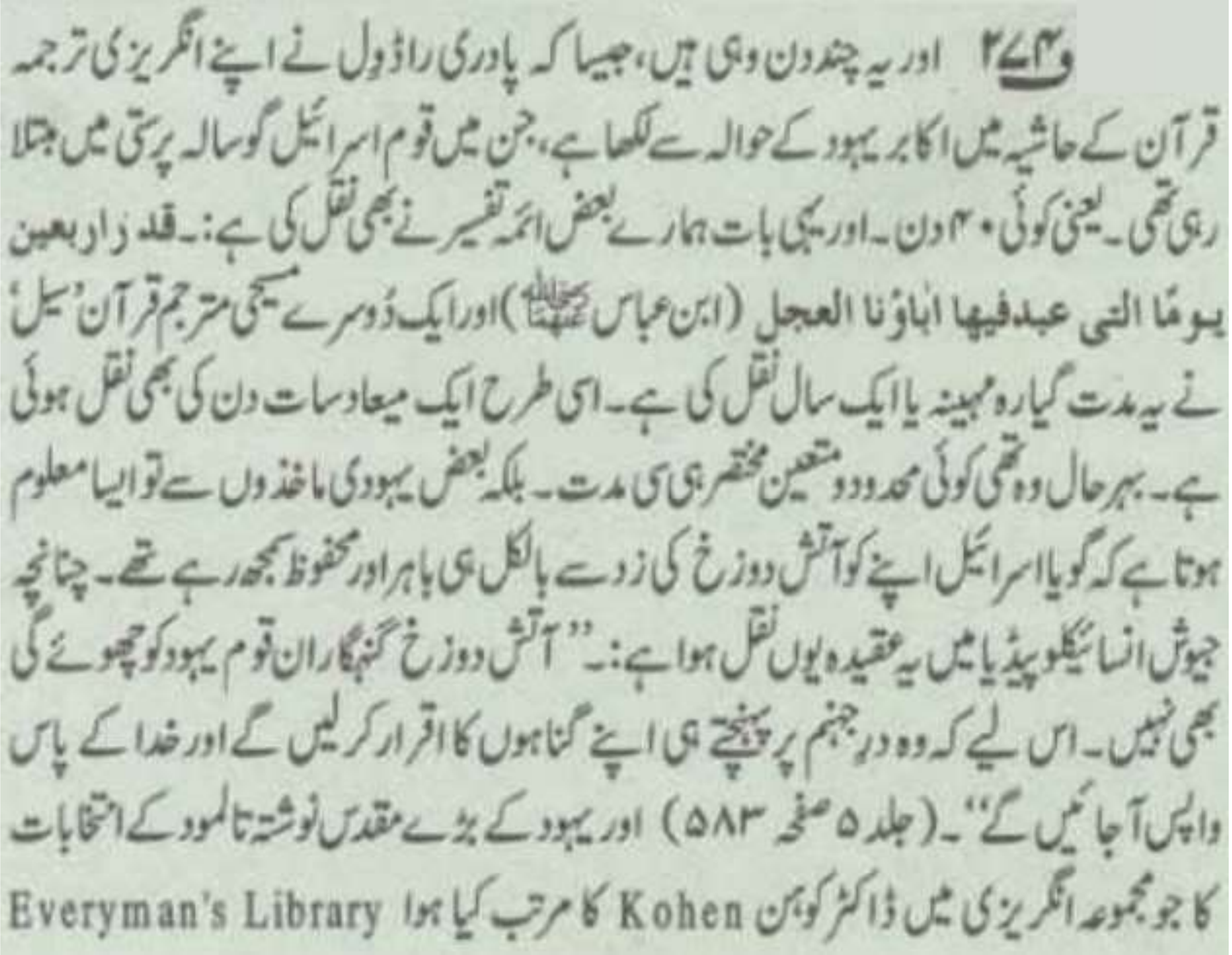

۱۷۲ اور یہ چند دن وہی ہیں، جیسا کہ پادری راڈول نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں اکابر یہود کے حوالہ سے لکھا ہے، جن میں قوم اسرائیل گوسالہ پرستی میں مبتلا رہی تھی۔ یعنی کوئی ۴۰ دن۔ اور یہی بات ہمارے بعض ائمہ تفسیر نے بھی نقل کی ہے:۔ قد زاد بعین یومًا التی عبدفیها اباؤنا العجل (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اور ایک دُوسرے مسیحی مترجم قرآن 'سیل' نے یہ مدت گیارہ مہینہ یا ایک سال نقل کی ہے۔ اسی طرح ایک میعاد سات دن کی بھی نقل ہوئی ہے۔ بہرحال وہ تھی کوئی محدود و متعین مختصر ہی سی مدت۔ بلکہ بعض یہودی ماخذوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اسرائیل اپنے کو آتش دوزخ کی زد سے بالکل ہی باہر اور محفوظ سمجھ رہے تھے۔ چنانچہ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں یہ عقیدہ یوں نقل ہوا ہے:۔ ”آتش دوزخ گنہگاران قوم یہود کو چھوئے گی بھی نہیں۔ اس لیے کہ وہ درِ جہنم پر پہنچتے ہی اپنے گناہوں کا اقرار کر لیں گے اور خدا کے پاس واپس آجائیں گے“۔ (جلد ۵ صفحہ ۵۸۳) اور یہود کے بڑے مقدس نوشتہ تالمود کے انتخابات کا جو مجموعہ انگریزی میں ڈاکٹر کوہن Kohen کا مرتب کیا ہوا Everyman's Library

جاری ہے

Series میں شائع ہوا ہے۔ اُس میں یوں آیا ہے:۔ ”قیامت کے دن ابراہیم درِ دوزخ پر تشریف رکھتے ہوں گے اور کسی مختون اسرائیلی کو اس میں نہ گرنے دیں گے۔“ (صفحہ ۴۰۴) ”جہنم کی آگ اسرائیلی گنہگاروں پر کوئی قدرت نہیں رکھتی۔“ (صفحہ ۴۰۵) حاصل یہ کہ بنی اسرائیل اپنی قوم کو خدا کی لاڈلی اور دُلاری سمجھے ہوئے تھے اور اس پر حد سے زیادہ نازاں تھے۔ یہود کی زبان سے اس سلسلہ میں ”ہم“ صیغۂ جمع متکلم جہاں جہاں بھی آیا ہے، اجتماعی معنٰی رکھتا ہے۔ یعنی مراد قوم اسرائیل ہے **ف۲۷۵** یہود سے بطور حجت الزامی سوال ہو رہا ہے کہ یہ جو اپنی قوم کی محبوبیت خاصہ کا عذابِ آخرت سے محفوظیت کا، عدم مسئولیت کا عقیدہ تم نے اپنے دل میں جما رکھا ہے۔ تو آخر یہ یوں ہی اپنے دل سے گڑھ لیا ہے، یا اس کی کوئی سند بھی اپنے مقدس نوشتوں میں دکھا سکتے ہو؟ آخر یہ اعتبار کہاں سے قائم کر لیا ہے؟ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ، **قال** کا صلہ جب **علٰی** کے ساتھ آتا ہے، تو معنٰی ہوتے ہیں کسی پر کوئی بات جوڑ لی، کسی پر بہتان باندھ دیا۔ **قال علیہ** اے افترٰی (تاج)

مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

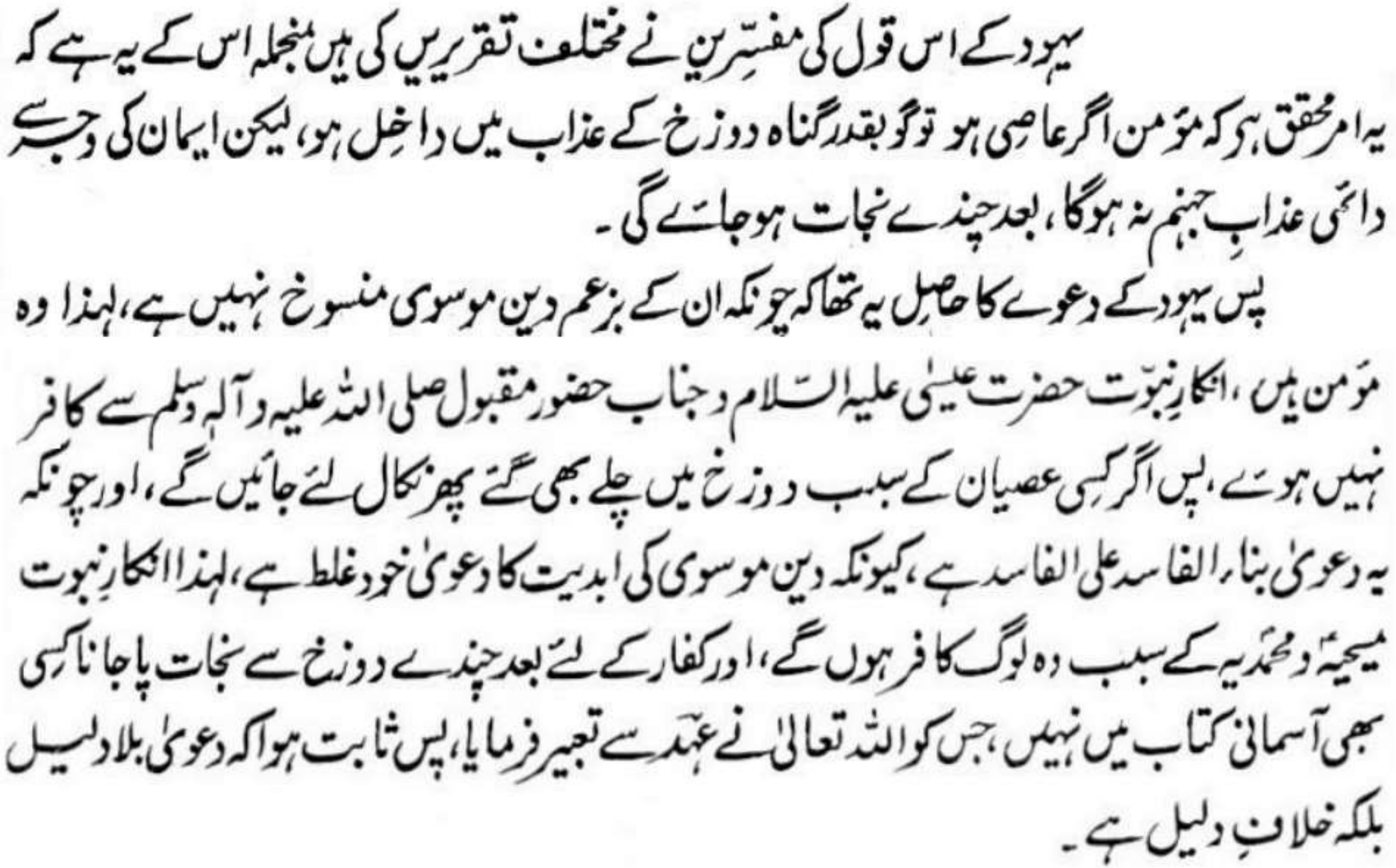

یہود کے اس قول کی مفسّرین نے مختلف تقریریں کی ہیں منجملہ اس کے یہ ہے کہ یہ امر محقق ہو کہ مؤمن اگر عاصی ہو تو گو بقدر گناہ دوزخ کے عذاب میں داخل ہو، لیکن ایمان کی وجہ سے دائمی عذابِ جہنم نہ ہوگا، بعد چندے نجات ہوجائے گی۔

پس یہود کے دعوے کا حاصل یہ تھا کہ چونکہ ان کے بزعم دین موسوی منسوخ نہیں ہے، لہٰذا وہ مؤمن ہیں، انکارِ نبوّت حضرت عیسیٰ علیہ السّلام و جناب حضور مقبول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے کافر نہیں ہوئے، پس اگر کسی عصیان کے سبب دوزخ میں چلے بھی گئے پھر نکال لئے جائیں گے، اور چونکہ یہ دعویٰ بناء الفاسد علی الفاسد ہے، کیونکہ دین موسوی کی ابدیت کا دعویٰ خود غلط ہے، لہٰذا انکارِ نبوت مسیحیہؑ و محمدیہ کے سبب وہ لوگ کافر ہوں گے، اور کفار کے لئے بعد چندے دوزخ سے نجات پا جانا کسی بھی آسمانی کتاب میں نہیں، جس کو اللہ تعالیٰ نے عہد سے تعبیر فرمایا، پس ثابت ہوا کہ دعویٰ بلا دلیل بلکہ خلافِ دلیل ہے۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

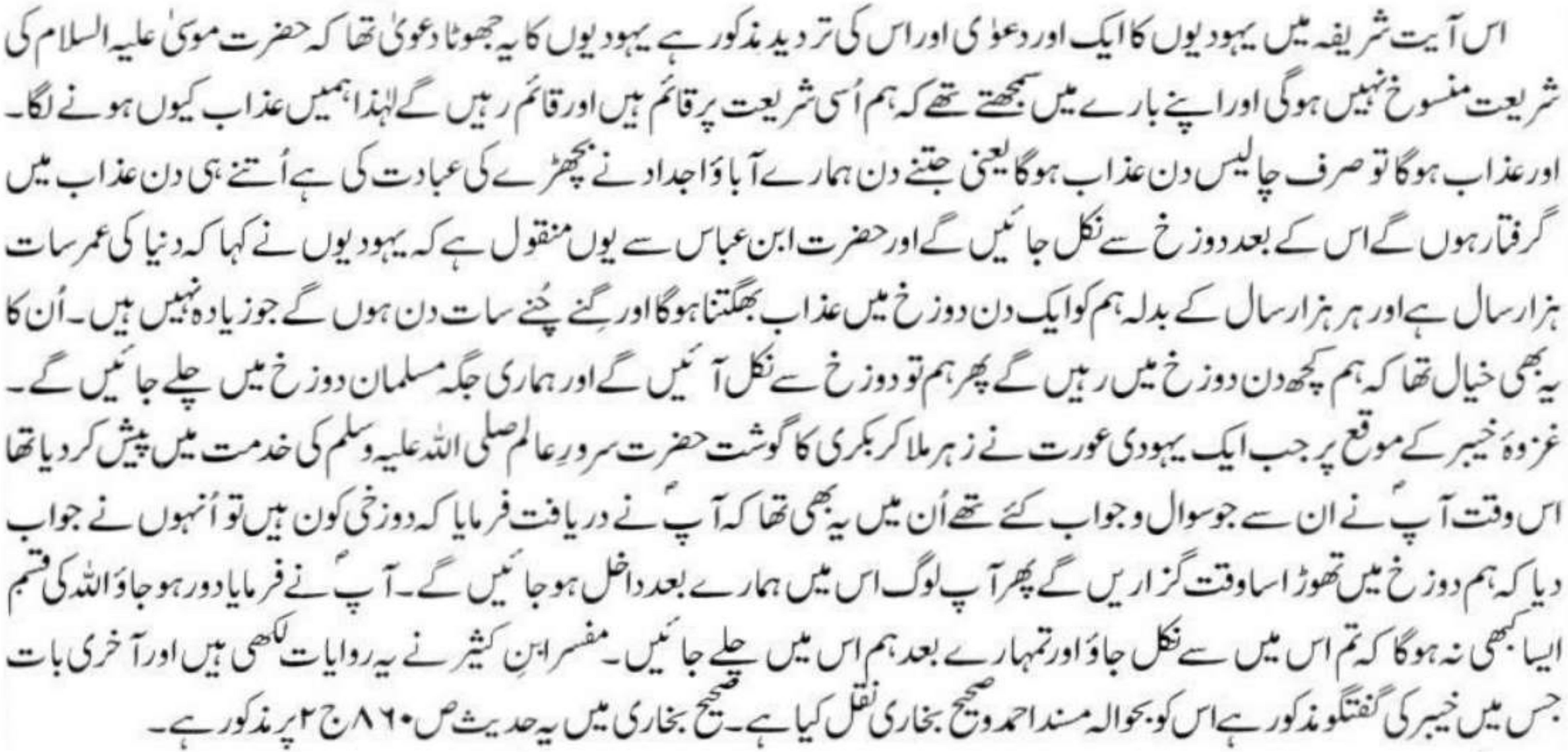

اس آیت شریفہ میں یہودیوں کا ایک اور دعوٰی اور اس کی تردید مذکور ہے یہودیوں کا یہ جھوٹا دعوٰی تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت منسوخ نہیں ہوگی اور اپنے بارے میں سمجھتے تھے کہ ہم اُسی شریعت پر قائم ہیں اور قائم رہیں گے لہٰذا ہمیں عذاب کیوں ہونے لگا۔ اور عذاب ہوگا تو صرف چالیس دن عذاب ہوگا یعنی جتنے دن ہمارے آباؤ اجداد نے بچھڑے کی عبادت کی ہے اُتنے ہی دن عذاب میں گرفتار ہوں گے اس کے بعد دوزخ سے نکل جائیں گے اور حضرت ابن عباس سے یوں منقول ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور ہر ہزار سال کے بدلہ ہم کو ایک دن دوزخ میں عذاب بھگتنا ہوگا اور گِنے چُنے سات دن ہوں گے جو زیادہ نہیں ہیں۔ اُن کا یہ بھی خیال تھا کہ ہم کچھ دن دوزخ میں رہیں گے پھر ہم تو دوزخ سے نکل آئیں گے اور ہماری جگہ مسلمان دوزخ میں چلے جائیں گے۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر جب ایک یہودی عورت نے زہر ملا کر بکری کا گوشت حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا تھا اس وقت آپؐ نے ان سے جو سوال و جواب کئے تھے اُن میں یہ بھی تھا کہ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ دوزخی کون ہیں تو اُنہوں نے جواب دیا کہ ہم دوزخ میں تھوڑا سا وقت گزاریں گے پھر آپ لوگ اس میں ہمارے بعد داخل ہو جائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا دور ہو جاؤ اللہ کی قسم ایسا کبھی نہ ہوگا کہ تم اس میں سے نکل جاؤ اور تمہارے بعد ہم اس میں چلے جائیں۔ مفسر ابنِ کثیر نے یہ روایات لکھی ہیں اور آخری بات جس میں خیبر کی گفتگو مذکور ہے اس کو بحوالہ مسند احمد و صحیح بخاری نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث ص ۸۶۰ ج ۲ پر مذکور ہے۔

حدیث مبارکہ

حدثنا عبد الله بن يوسف حدثنا الليث قال حدثنى سعيد بن أبى سعيد المقبرى عن أبى هريرة رضى الله عنه قال لما فتحت
خيبر أهديت للنبى صلى الله عليه وسلم شاة فيها سم فقال النبى صلى الله عليه وسلم اجمعوا إلى من كان ها هنا من يهود
فجمعوا له فقال إنى سائلكم عن شيئ فهل أنتم صادقى عنه فقالوا نعم قال لهم النبى صلى الله عليه وسلم من أبوكم قالوا فلان
فقال كذبتم بل أبوكم فلان قالوا صدقت قال فهل أنتم صادقى عن شيئ إن سألت عنه فقالوا نعم يا أبا القاسم وإن كذبنا
عرفت كذبنا كما عرفته فى أبينا فقال لهم من أهل النار قالوا نكون فيها يسيرا ثم تخلفونا فيها فقال النبى صلى الله عليه
وسلم اخسئوا فيها والله لا نخلفكم فيها أبدا ثم قال هل أنتم صادقى عن شيئ إن سألتكم عنه فقالوا نعم يا أبا القاسم قال هل
جعلتم فى هذه الشاة سما قالوا نعم قال ما حملكم على ذلك قالوا أردنا إن كنت كاذبا نستريح وإن كنت نبيا لم يضرك

صحیح بخاری، کتاب: ابواب الجزیة والموادعة ، باب: إذا غدر المشرکون بالمسلمین هل یعفی عنهم ، حدیث: 2998

حدیث مبارکہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب خیبر فتح ہوا تو ایک زہر آلودہ پکی ہوئی بکری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کی گئی تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہاں جتنے یہودی ہیں ان سب کو جمع کرلو جب وہ سب آپ کے سامنے جمع کر لئے گئے تو آپ نے فرمایا کہ میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں کیا تم سچ سچ بتاؤ گے؟ پھر ان لوگوں کے جی ہاں کہنے پر آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے باپ کا نام کیا ہے انہوں نے کہا فلانا تو آپ نے فرمایا کہ تم جھوٹ کہہ رہے ہو بلکہ تمہارا باپ تو فلاں آدمی ہے اس پر انہوں نے جواب دیا آپ سچ فرماتے ہیں اس کے بعد آپ نے فرمایا اگر میں تم سے کوئی بات پوچھوں تو تم سچ سچ بتاؤ گے تو ان لوگوں نے جواب دیا جی ہاں اے ابوالقاسم اگر ہم جھوٹ کہیں گے تو آپ ہمارا جھوٹ پہچان لیں گے جیسا کہ ابھی آپ نے ہمارے باپ کے نام کی بابت پہچان لیا ہے تو آپ نے فرمایا بتاؤ دوزخی کون لوگ ہیں انہوں نے کہا ہم لوگ تو دوزخ میں تھوڑے ہی دنوں ٹھہریں گے اور ہمارے بعد تم اس میں ہماری جانشینی کروگے تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اس میں ذلیل و خوار رہوگے اور اللہ کی قسم! ہم دوزخ میں کبھی تمہاری جانشینی نہیں کریں گے اس کے بعد پھر آپ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے ایک بات اور پوچھوں تو کیا تم سچ بتاؤ گے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! اے ابوالقاسم آپ نے فرمایا کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا تھا انہوں نے کہا جی ہاں! تو آپ نے فرمایا تم کو اس بات پر کس نے آمادہ کیا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے یہ چاہا تھا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو ہم کو آپ سے چھٹکارا مل جائے گا اور ہم آرام سے رہیں گے اور اگر آپ واقعی اللہ کے نبی اور رسول ہیں تو زہر آپ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچائے گا۔

صحیح بخاری، کتاب: ابواب الجزیة والموادعة ، باب: إذا غدر المشركون بالمسلمین هل یعفی عنهم ، حدیث: 2998

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (تفسیر مظہری میں) فرماتے ہیں کہ:

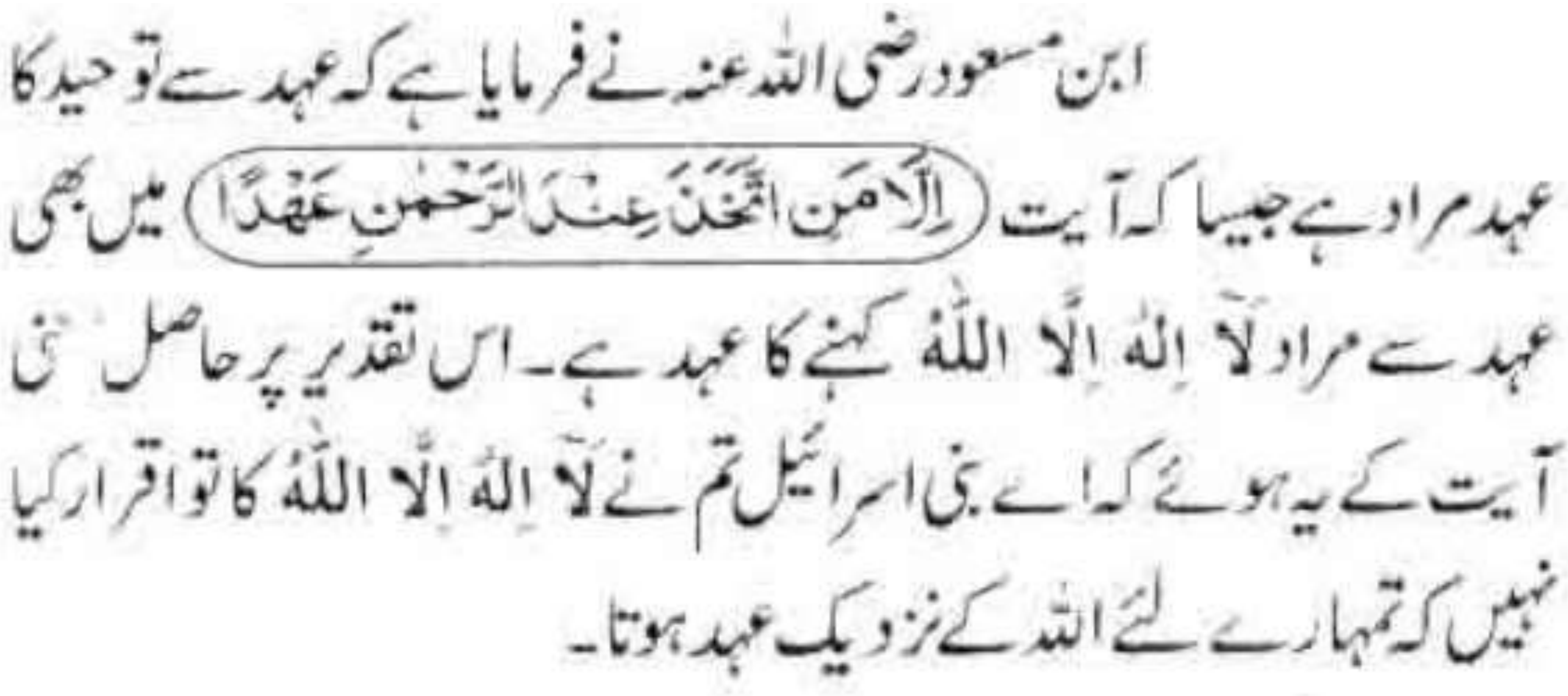

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ عہد سے توحید کا عہد مراد ہے جیسا کہ آیت (اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا) میں بھی عہد سے مراد لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے کا عہد ہے۔ اس تقدیر پر حاصل معنی آیت کے یہ ہوئے کہ اے بنی اسرائیل تم نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا تو اقرار کیا نہیں کہ تمہارے لئے اللہ کے نزدیک عہد ہوتا۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

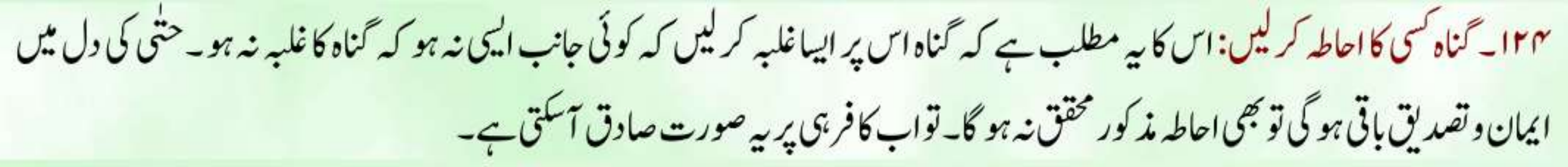

۱۲۴۔ **گناہ کسی کا احاطہ کر لیں:** اس کا یہ مطلب ہے کہ گناہ اس پر ایسا غلبہ کر لیں کہ کوئی جانب ایسی نہ ہو کہ گناہ کا غلبہ نہ ہو۔ حتیٰ کی دل میں ایمان و تصدیق باقی ہو گی تو بھی احاطہ مذکور محقق نہ ہو گا۔ تو اب کافر ہی پر یہ صورت صادق آ سکتی ہے۔

مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

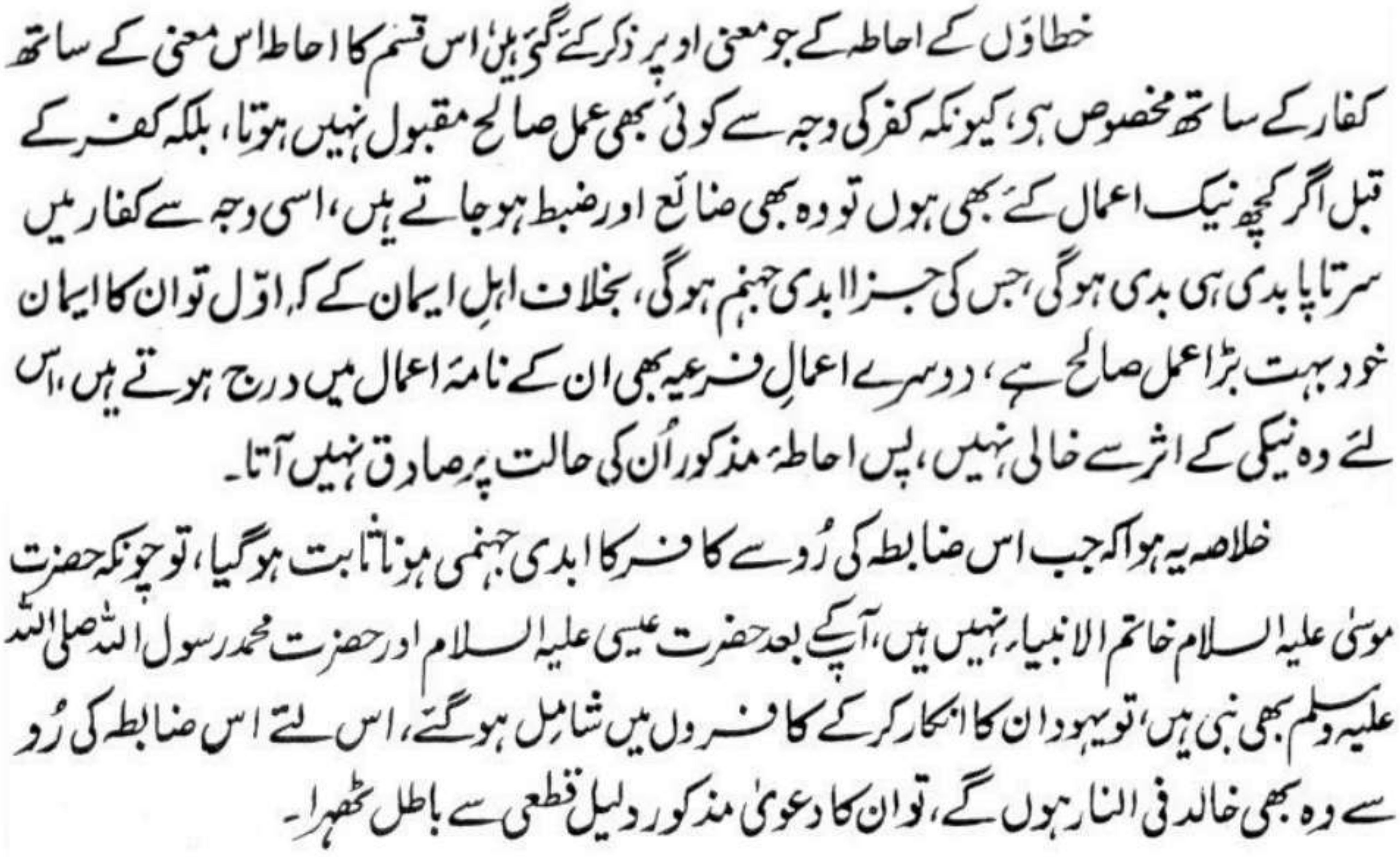

خطاؤں کے احاطہ کے جو معنی اوپر ذکر کئے گئے ہیں اس قسم کا احاطہ اس معنی کے ساتھ کفار کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ کفر کی وجہ سے کوئی بھی عمل صالح مقبول نہیں ہوتا، بلکہ کفر کے قبل اگر کچھ نیک اعمال کئے بھی ہوں تو وہ بھی ضائع اور ضبط ہو جاتے ہیں، اسی وجہ سے کفار میں سرتاپا بدی ہی بدی ہوگی، جس کی جزا ابدی جہنم ہوگی، بخلاف اہلِ ایمان کے کہ اوّل تو ان کا ایمان خود بہت بڑا عمل صالح ہے، دوسرے اعمالِ فرعیہ بھی ان کے نامۂ اعمال میں درج ہوتے ہیں، اس لئے وہ نیکی کے اثر سے خالی نہیں، پس احاطۂ مذکور اُن کی حالت پر صادق نہیں آتا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جب اس ضابطہ کی رُو سے کافر کا ابدی جہنمی ہونا ثابت ہو گیا، تو چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خاتم الانبیاء نہیں ہیں، آپ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نبی ہیں، تو یہود ان کا انکار کر کے کافروں میں شامل ہو گئے، اس لئے اس ضابطہ کی رُو سے وہ بھی خالد فی النار ہوں گے، تو ان کا دعویٰ مذکور دلیل قطعی سے باطل ٹھہرا۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ (تفسیر ماجدی میں) فرماتے ہیں کہ:

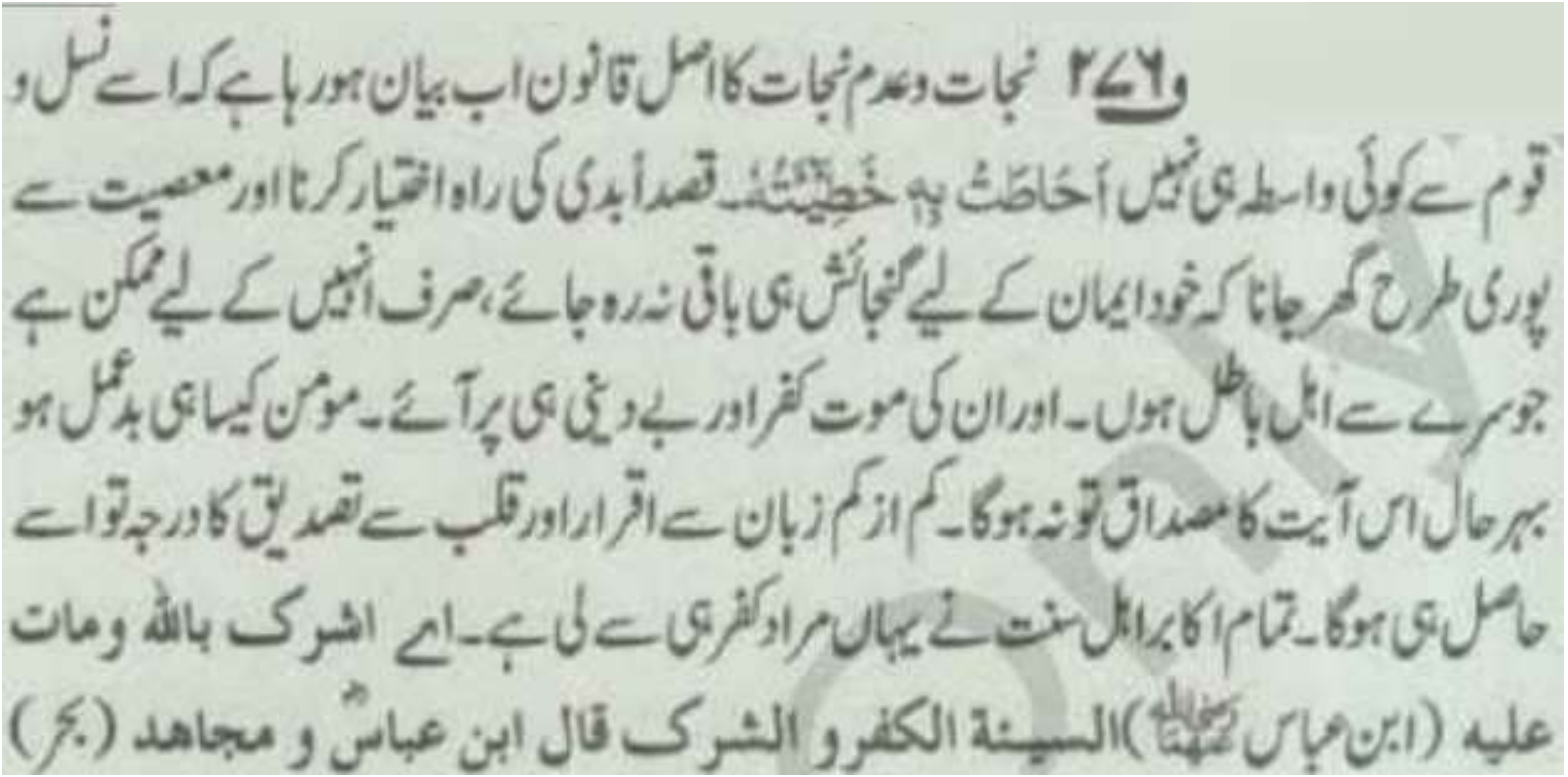

۲۷۶ نجات وعدم نجات کا اصل قانون اب بیان ہورہا ہے کہ اسے نسل و قوم سے کوئی واسطہ ہی نہیں أَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ۔ قصدِ ابدی کی راہ اختیار کرنا اور معصیت سے پوری طرح گھر جانا کہ خود ایمان کے لیے گنجائش ہی باقی نہ رہ جائے، صرف انہیں کے لیے ممکن ہے جو سرے سے اہل باطل ہوں۔ اور ان کی موت کفر اور بے دینی ہی پر آئے۔ مومن کیسا ہی بدعمل ہو بہرحال اس آیت کا مصداق تو نہ ہو گا۔ کم از کم زبان سے اقرار اور قلب سے تصدیق کا درجہ تو اسے حاصل ہی ہو گا۔ تمام اکابر اہل سنت نے یہاں مراد کفر ہی سے لی ہے۔ ای اشرک باللہ ومات علیه (ابن عباس رضی اللہ عنہما) السیئة الکفر و الشرک قال ابن عباسؓ و مجاهد (بحر)

جاری ہے

المومنون لا يدخلون فی حکم هذه الآية (معالم۔ عن الواحدی) فاما اذا مات مؤمنًا فاعظم الطاعات و هو الايمان معه فلا يكون الذنب محيطًا به فلا يتناوله النصّ (مدارک)۔ بعض اہل باطل (معتزلہ وخوارج وغیرہ) نے آیت سے جو مومن عاصی کی عدمِ مغفوریت پر استدلال کرنا چاہا ہے، وہ صریحاً باطل ہے۔ **۲۷** خلود کے معنٰی اگرچہ مدتِ طویل کے بھی ہیں۔ لیکن اہل دوزخ اور اہل جنت کے سلسلہ میں جہاں جہاں اس لفظ کا استعمال قرآن مجید میں ہوا ہے، اہل سنت کا اجماع ہے کہ اس سے مراد دوام یا ہمیشگی ہے، اور اس کی تاکید و تائید میں قرآن مجید میں خٰلِدِیْنَ فِیْهَا کے ساتھ ساتھ جابجا اَبَدًا بھی آیا ہے۔ **والمراد بالخلود الدوام** (روح) ومن الناس من حمل الخلود علی اصل الوضع وهو اللبث الطويل ليس بشیٔ لان فيه تهوين الخطب فی مقام التهويل مع عدم ملائمته حمل الخلود فی الجنة علی الدوام (روح)

مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(۵۷) بدی کے گھیرے میں لینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کریں جس کے بعد کوئی نیک عمل آخرت میں کارآمد نہ ہو، اور وہ گناہ کفر اور شرک ہے۔

مولانا ابو نعمان سیف اللہ خالدؒ (دعوۃ القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

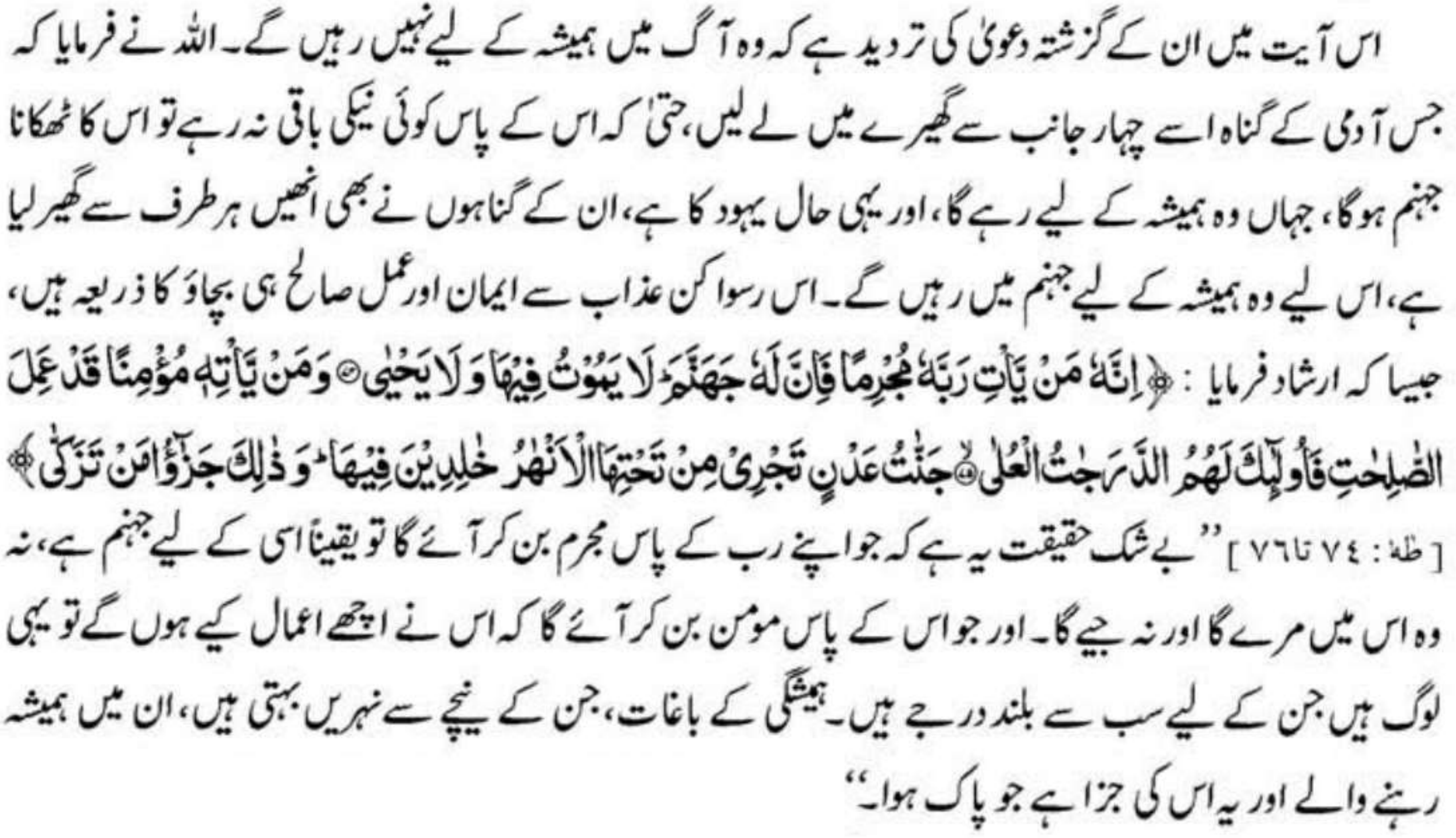

اس آیت میں ان کے گزشتہ دعویٰ کی تردید ہے کہ وہ آگ میں ہمیشہ کے لیے نہیں رہیں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ جس آدمی کے گناہ اسے چہار جانب سے گھیرے میں لے لیں، حتیٰ کہ اس کے پاس کوئی نیکی باقی نہ رہے تو اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا، جہاں وہ ہمیشہ کے لیے رہے گا، اور یہی حال یہود کا ہے، ان کے گناہوں نے بھی انھیں ہر طرف سے گھیر لیا ہے، اس لیے وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہیں گے۔ اس رسوا کن عذاب سے ایمان اور عمل صالح ہی بچاؤ کا ذریعہ ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰي ۝ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى﴾ [طٰهٰ: ٧٤ تا ٧٦] ”بے شک حقیقت یہ ہے کہ جو اپنے رب کے پاس مجرم بن کر آئے گا تو یقیناً اسی کے لیے جہنم ہے، نہ وہ اس میں مرے گا اور نہ جیے گا۔ اور جو اس کے پاس مومن بن کر آئے گا کہ اس نے اچھے اعمال کیے ہوں گے تو یہی لوگ ہیں جن کے لیے سب سے بلند درجے ہیں۔ ہمیشگی کے باغات، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے اور یہ اس کی جزا ہے جو پاک ہوا۔“

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ

هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (۸۲) ع

مولانا ادریس کاندھلویؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

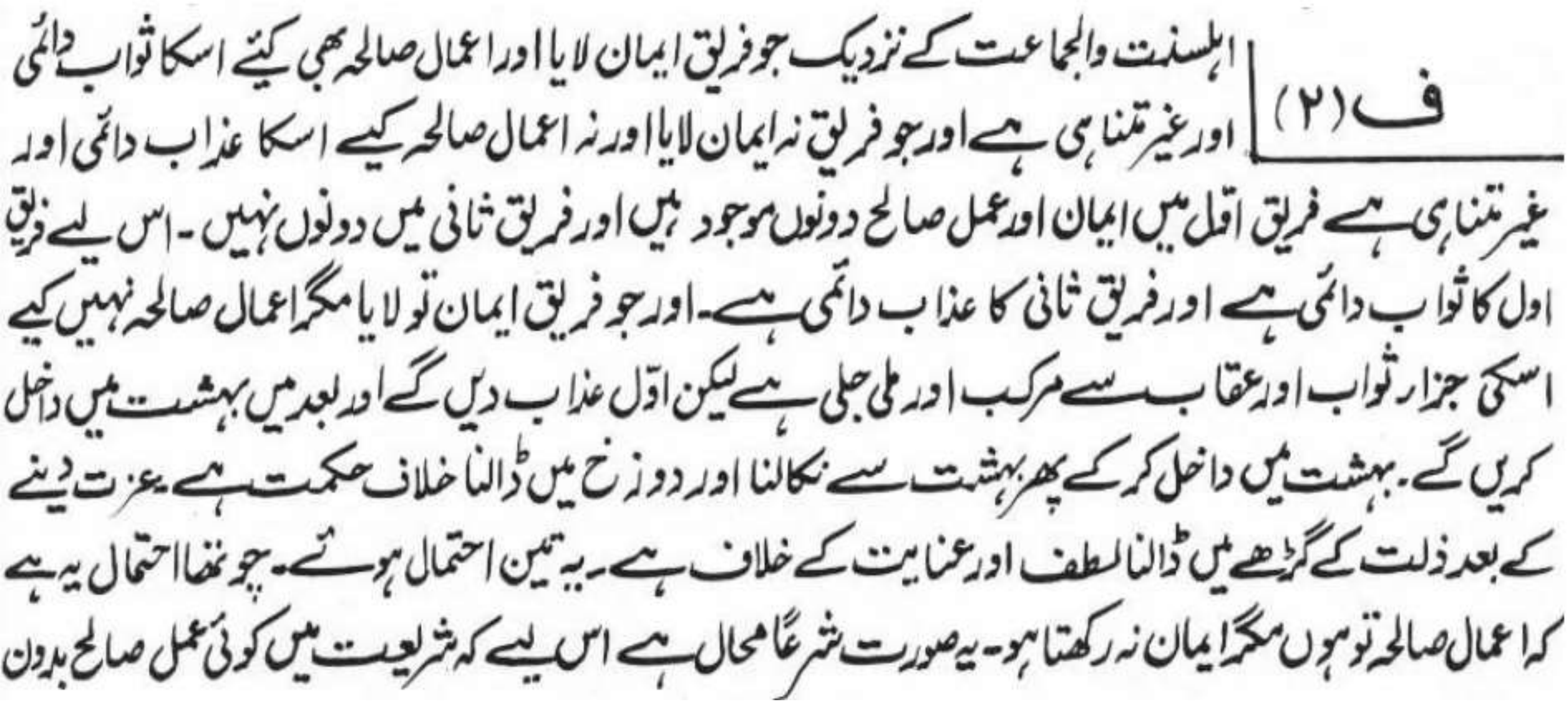

ف (۲) اہلسنت والجماعت کے نزدیک جو فریق ایمان لایا اور اعمال صالحہ بھی کیئے اسکا ثواب دائمی اور غیر متناہی ہے اور جو فریق نہ ایمان لایا اور نہ اعمال صالحہ کیے اسکا عذاب دائمی اور غیر متناہی ہے فریق اوّل میں ایمان اور عمل صالح دونوں موجود ہیں اور فریق ثانی میں دونوں نہیں۔ اس لیے فریق اول کا ثواب دائمی ہے اور فریق ثانی کا عذاب دائمی ہے۔ اور جو فریق ایمان تو لایا مگر اعمال صالحہ نہیں کیے اسکی جزاء ثواب اور عقاب سے مرکب اور ملی جلی ہے لیکن اوّل عذاب دیں گے اور بعد میں بہشت میں داخل کریں گے۔ بہشت میں داخل کر کے پھر بہشت سے نکالنا اور دوزخ میں ڈالنا خلاف حکمت ہے۔ عزت دینے کے بعد ذلت کے گڑھے میں ڈالنا لطف اور عنایت کے خلاف ہے۔ یہ تین احتمال ہوئے۔ چوتھا احتمال یہ ہے کہ اعمال صالحہ تو ہوں مگر ایمان نہ رکھتا ہو۔ یہ صورت شرعاً محال ہے اس لیے کہ شریعت میں کوئی عمل صالح بدون

جاری ہے

ایمان کے معتبر نہیں۔ ہر عمل صالح کے لیے ایمان شرط ہے۔

وَ اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ   جب شرط فوت ہوئی تو مشروط بھی فوت ہوا۔

اسی وجہ سے کفار کے صدقات کو صرف صورۃً اعمال صالحہ کہا جا سکتا ہے ورنہ حقیقت میں اعمال صالحہ نہیں کما قال تعالےٰ

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَعْمَالُھُمْ کَسَرَابٍ   کافروں کے اعمال سراب کی مانند ہیں کہ دور
بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً   سے پیاسا انکو پانی گمان کرتا ہے۔

جس طرح لکڑی کا گھوڑا اور شیر قالین اصلی گھوڑے اور اصلی شیر کی صورت میں مشابہ ہے اسی طرح کافر کا عمل ظاہر صورت میں عمل صالح کے مشابہ ہوتا ہے مگر حقیقۃ میں نیک نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ عمل صالح کی روح ایمان ہے اور وہ موجود نہیں۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

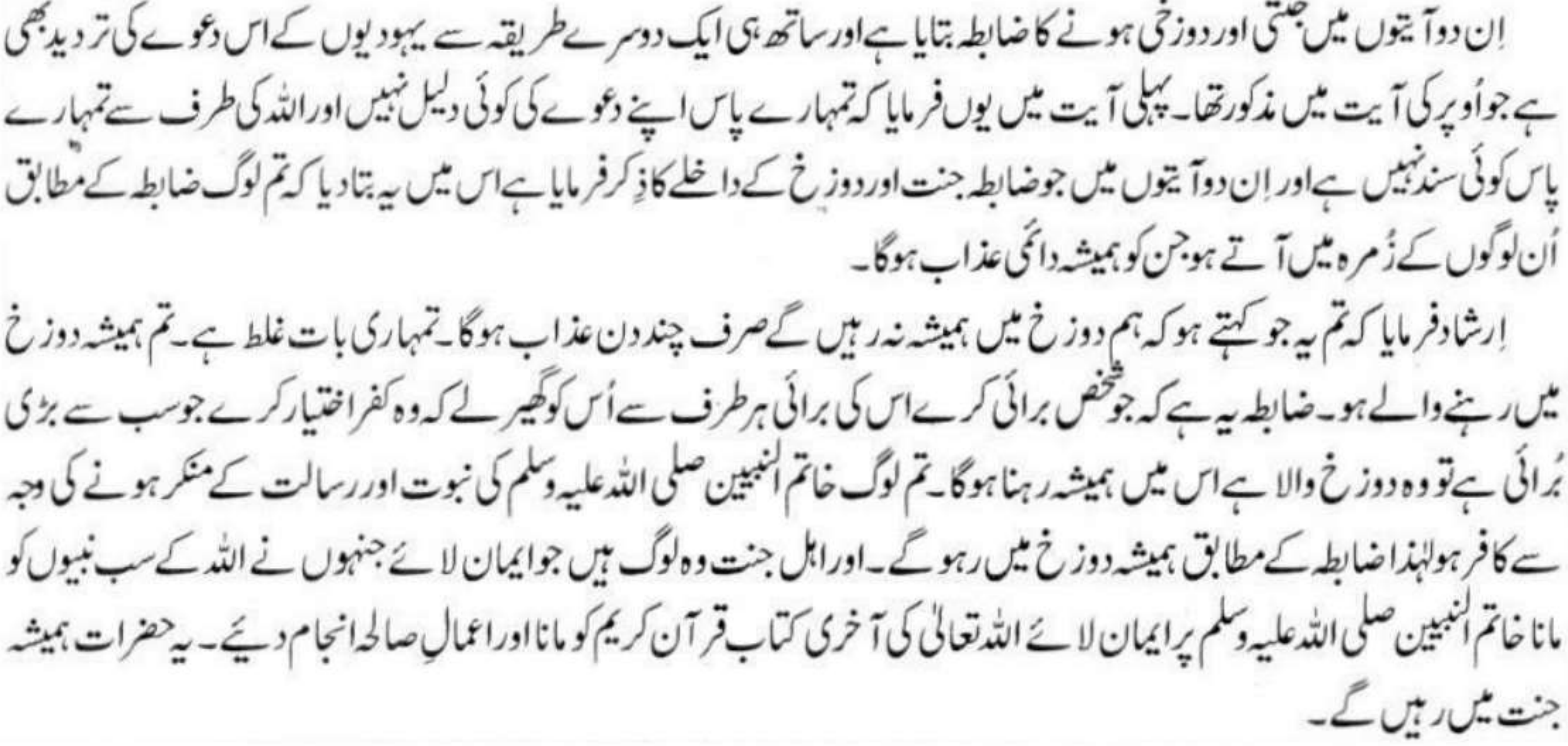

اِن دو آیتوں میں جنتی اور دوزخی ہونے کا ضابطہ بتایا ہے اور ساتھ ہی ایک دوسرے طریقہ سے یہودیوں کے اس دعوے کی تردید بھی ہے جو اُوپر کی آیت میں مذکور تھا۔ پہلی آیت میں یوں فرمایا کہ تمہارے پاس اپنے دعوے کی کوئی دلیل نہیں اور اللہ کی طرف سے تمہارے پاس کوئی سند نہیں ہے اور اِن دو آیتوں میں جو ضابطہ جنت اور دوزخ کے داخلے کا ذِکر فرمایا ہے اس میں یہ بتادیا کہ تم لوگ ضابطہ کے مطابق اُن لوگوں کے زُمرہ میں آتے ہو جن کو ہمیشہ دائمی عذاب ہوگا۔

اِرشاد فرمایا کہ تم یہ جو کہتے ہو کہ ہم دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے صرف چند دن عذاب ہوگا۔ تمہاری بات غلط ہے۔ تم ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہو۔ ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص برائی کرے اس کی برائی ہر طرف سے اُس کو گھیر لے کہ وہ کفر اختیار کرے جو سب سے بڑی بُرائی ہے تو وہ دوزخ والا ہے اس میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ تم لوگ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے منکر ہونے کی وجہ سے کافر ہو لہٰذا ضابطہ کے مطابق ہمیشہ دوزخ میں رہو گے۔ اور اہل جنت وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے جنہوں نے اللہ کے سب نبیوں کو مانا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم کو مانا اور اعمالِ صالحہ انجام دیئے۔ یہ حضرات ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ (تفسیر ماجدی میں) فرماتے ہیں کہ:

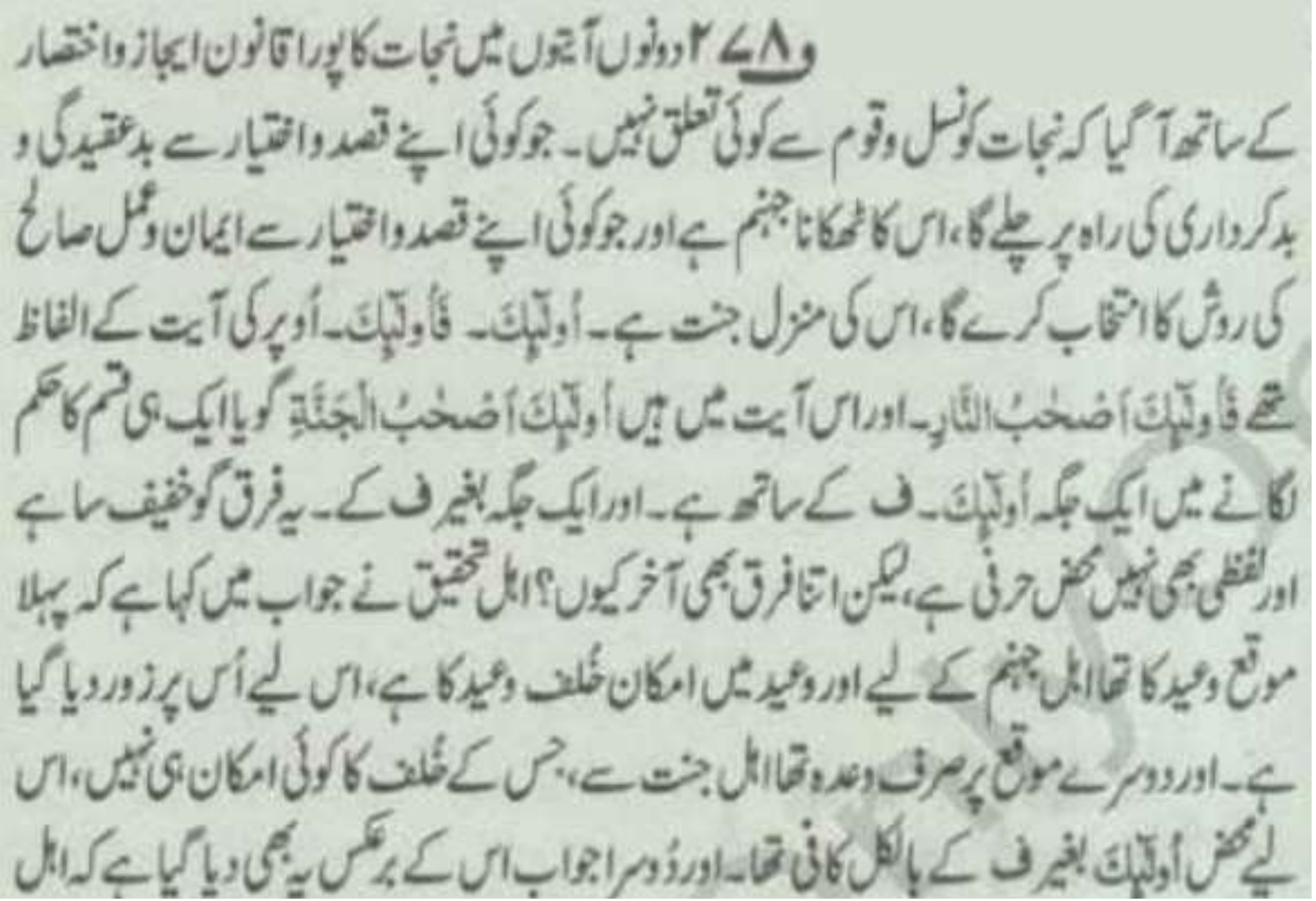

و۲۷۸ دونوں آیتوں میں نجات کا پورا قانون ایجاز واختصار کے ساتھ آگیا کہ نجات کو نسل وقوم سے کوئی تعلق نہیں۔ جو کوئی اپنے قصد واختیار سے بدعقیدگی و بدکرداری کی راہ پر چلے گا، اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور جو کوئی اپنے قصد واختیار سے ایمان وعمل صالح کی روش کا انتخاب کرے گا، اس کی منزل جنت ہے۔ اُولٰٓئِكَ۔ فَاُولٰٓئِكَ۔ اُوپر کی آیت کے الفاظ تھے فَاُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ۔ اور اس آیت میں ہیں اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ گویا ایک ہی قسم کا حکم لگانے میں ایک جگہ اُولٰٓئِكَ۔ ف کے ساتھ ہے۔ اور ایک جگہ بغیر ف کے۔ یہ فرق گو خفیف سا ہے اور لفظی بھی نہیں محض حرفی ہے، لیکن اتنا فرق بھی آخر کیوں؟ اہل تحقیق نے جواب میں کہا ہے کہ پہلا موقع وعید کا تھا اہل جہنم کے لیے اور وعید میں امکان خُلف وعید کا ہے، اس لیے اُس پر زور دیا گیا ہے۔ اور دوسرے موقع پر صرف وعدہ تھا اہل جنت سے، جس کے خُلف کا کوئی امکان ہی نہیں، اس لیے محض اُولٰٓئِكَ بغیر ف کے بالکل کافی تھا۔ اور دُوسرا جواب اس کے برعکس یہ بھی دیا گیا ہے کہ اہل

جاری ہے

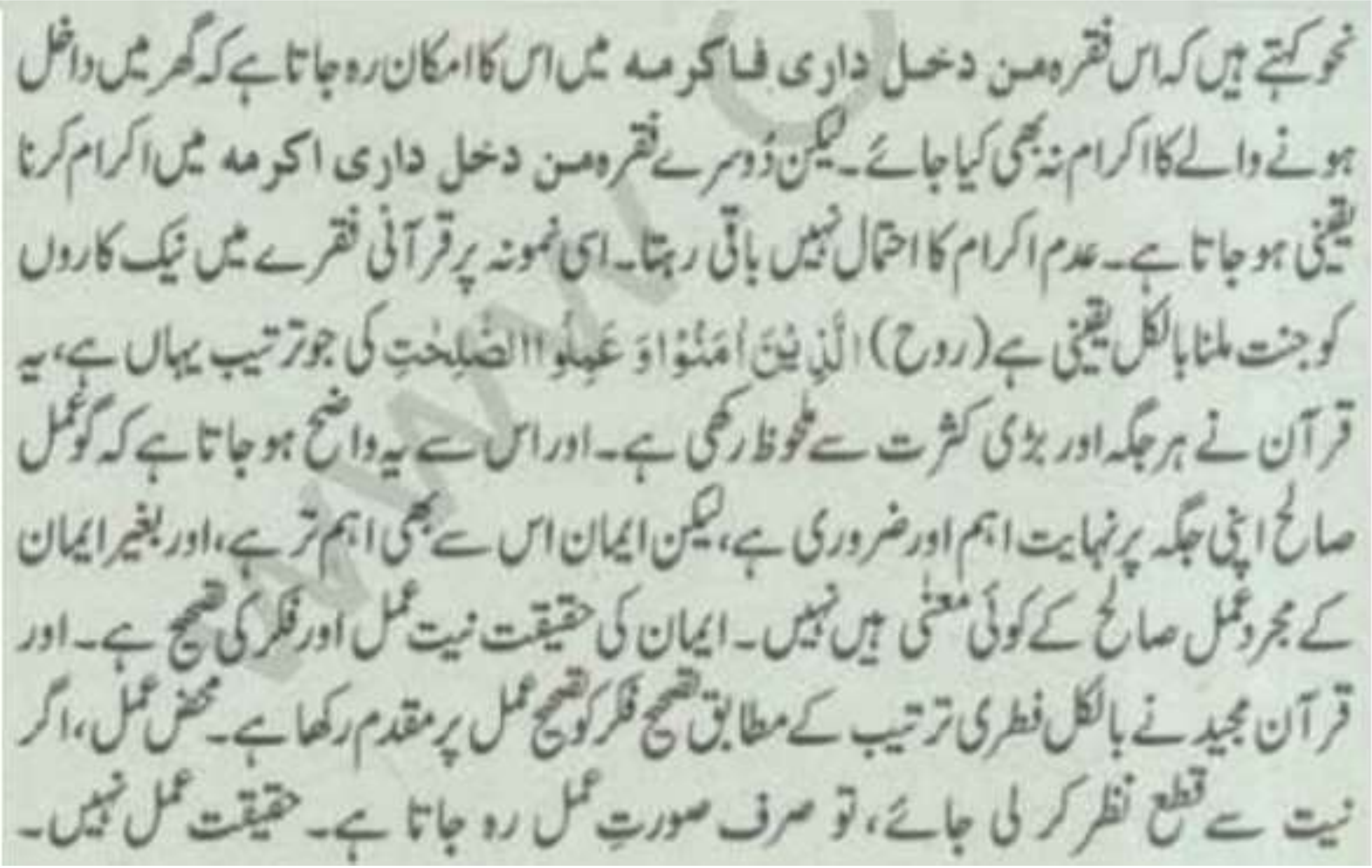

نحو کہتے ہیں کہ اس فقرہ من دخل داری فاکرمہ میں اس کا امکان رہ جاتا ہے کہ گھر میں داخل ہونے والے کا اکرام نہ بھی کیا جائے۔ لیکن دُوسرے فقرہ من دخل داری اکرمہ میں اکرام کرنا یقینی ہو جاتا ہے۔ عدم اکرام کا احتمال نہیں باقی رہتا۔ اسی نمونہ پر قرآنی فقرے میں نیک کاروں کو جنت ملنا بالکل یقینی ہے (روح) الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی جو ترتیب یہاں ہے، یہ قرآن نے ہر جگہ اور بڑی کثرت سے ملحوظ رکھی ہے۔ اور اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ گو عمل صالح اپنی جگہ پر نہایت اہم اور ضروری ہے، لیکن ایمان اس سے بھی اہم تر ہے، اور بغیر ایمان کے مجرد عمل صالح کے کوئی معنٰی ہیں نہیں۔ ایمان کی حقیقت نیت عمل اور فکر کی تصحیح ہے۔ اور قرآن مجید نے بالکل فطری ترتیب کے مطابق تصحیح فکر کو تصحیح عمل پر مقدم رکھا ہے۔ محض عمل، اگر نیت سے قطع نظر کر لی جائے، تو صرف صورتِ عمل رہ جاتا ہے۔ حقیقت عمل نہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

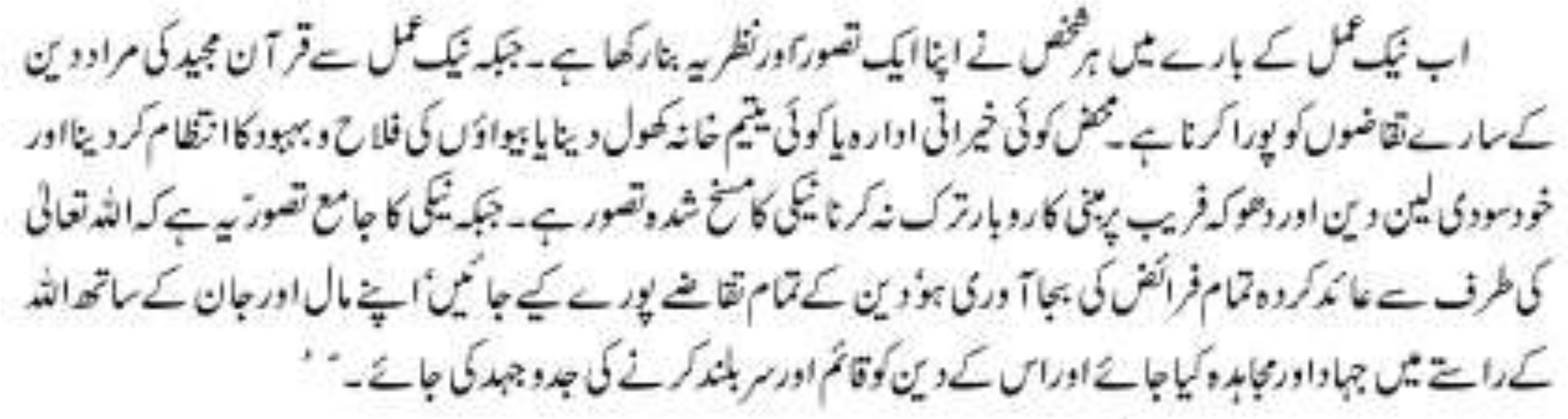

اب نیک عمل کے بارے میں ہر شخص نے اپنا ایک تصور اور نظریہ بنا رکھا ہے۔ جبکہ نیک عمل سے قرآن مجید کی مراد دین کے سارے تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔ محض کوئی خیراتی ادارہ یا کوئی یتیم خانہ کھول دینا یا بیواؤں کی فلاح و بہبود کا انتظام کر دینا اور خود سودی لین دین اور دھوکہ فریب پر مبنی کاروبار ترک نہ کرنا نیکی کا مسخ شدہ تصور ہے۔ جبکہ نیکی کا جامع تصور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ تمام فرائض کی بجا آوری ہو، دین کے تمام تقاضے پورے کیے جائیں، اپنے مال اور جان کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد اور مجاہدہ کیا جائے اور اس کے دین کو قائم اور سربلند کرنے کی جدوجہد کی جائے۔"

مولانا محمد آصف قاسمیؒ (بصیرتِ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جنت کسی کی میراث نہیں ہے یہ تو درحقیقت ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ حاصل ہوگی اللہ نے کسی کو جنت کا ٹھیکہ نہیں دیا ہے۔ البتہ وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائیں گے اور عمل صالح کی روش اختیار کریں گے وہ اس جنت کے وارث ہوں گے لیکن جن لوگوں نے ایمان اور عمل صالح کی روش کو چھوڑ دیا ہے۔ یقیناً ایسے لوگ جہنمی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف
وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ قُوْلُوْا
لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ط ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ
اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

احادیث مبارکہ

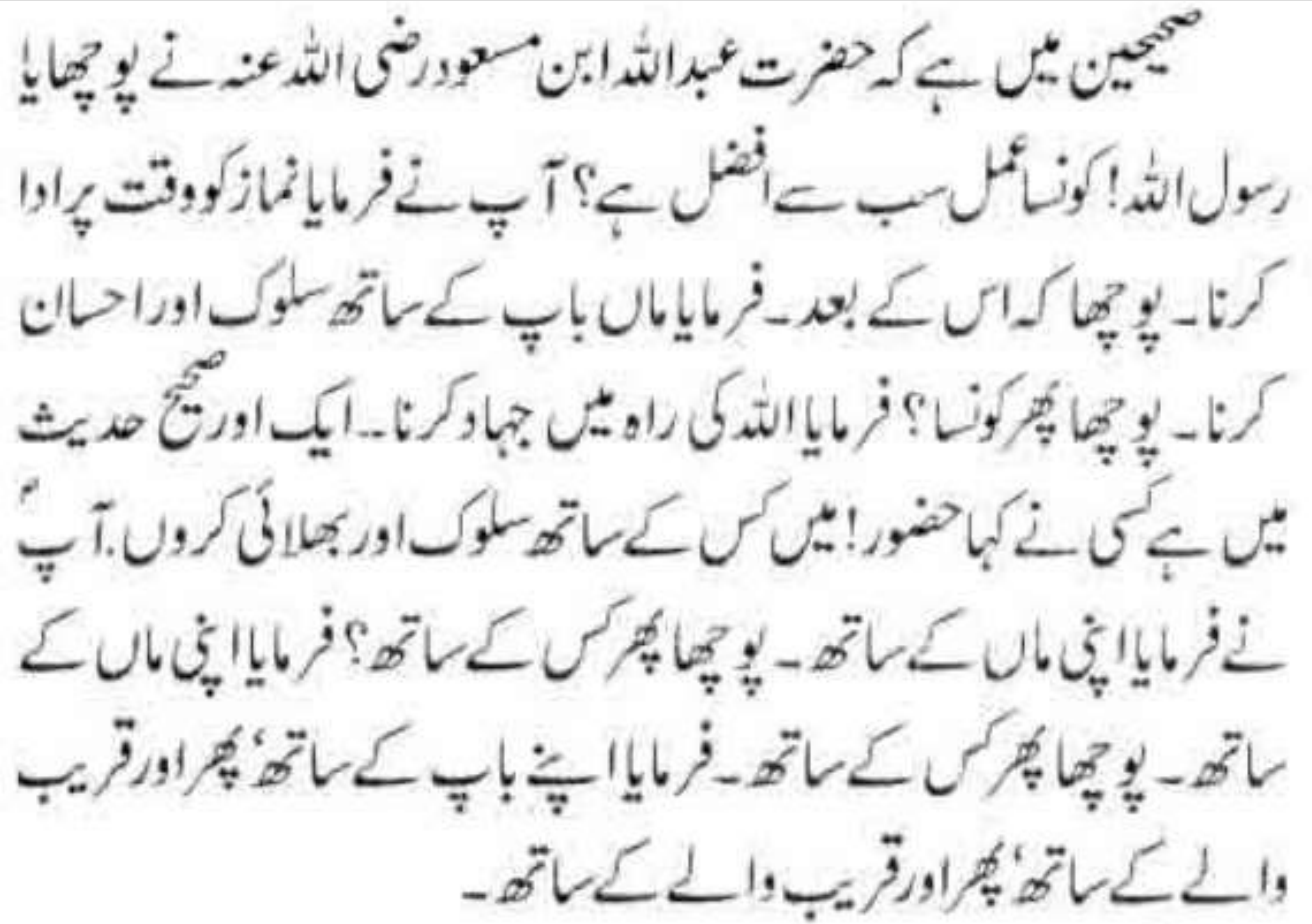

صحیحین میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو وقت پر ادا کرنا۔ پوچھا کہ اس کے بعد۔ فرمایا ماں باپ کے ساتھ سلوک اور احسان کرنا۔ پوچھا پھر کونسا؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے کسی نے کہا حضور! میں کس کے ساتھ سلوک اور بھلائی کروں. آپؐ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ پوچھا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ پوچھا پھر کس کے ساتھ۔ فرمایا اپنے باپ کے ساتھ' پھر اور قریب والے کے ساتھ' پھر اور قریب والے کے ساتھ۔

مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنیؒ (گلدستہ تفسیر میں) فرماتے ہیں کہ:

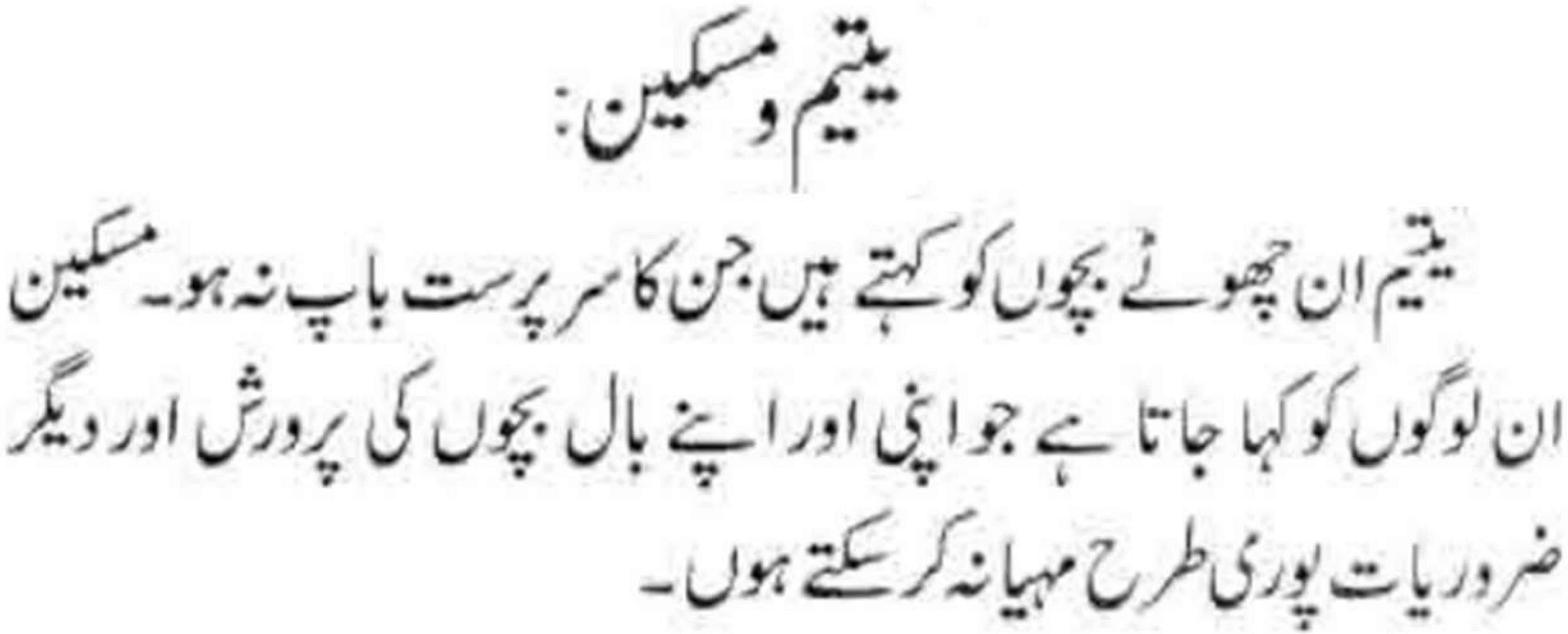

یتیم و مسکین:

یتیم ان چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں جن کا سرپرست باپ نہ ہو۔ مسکین ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اپنی اور اپنے بال بچوں کی پرورش اور دیگر ضروریات پوری طرح مہیا نہ کر سکتے ہوں۔

ابن کثیرؒ (تفسیر ابن کثیر میں) فرماتے ہیں کہ:

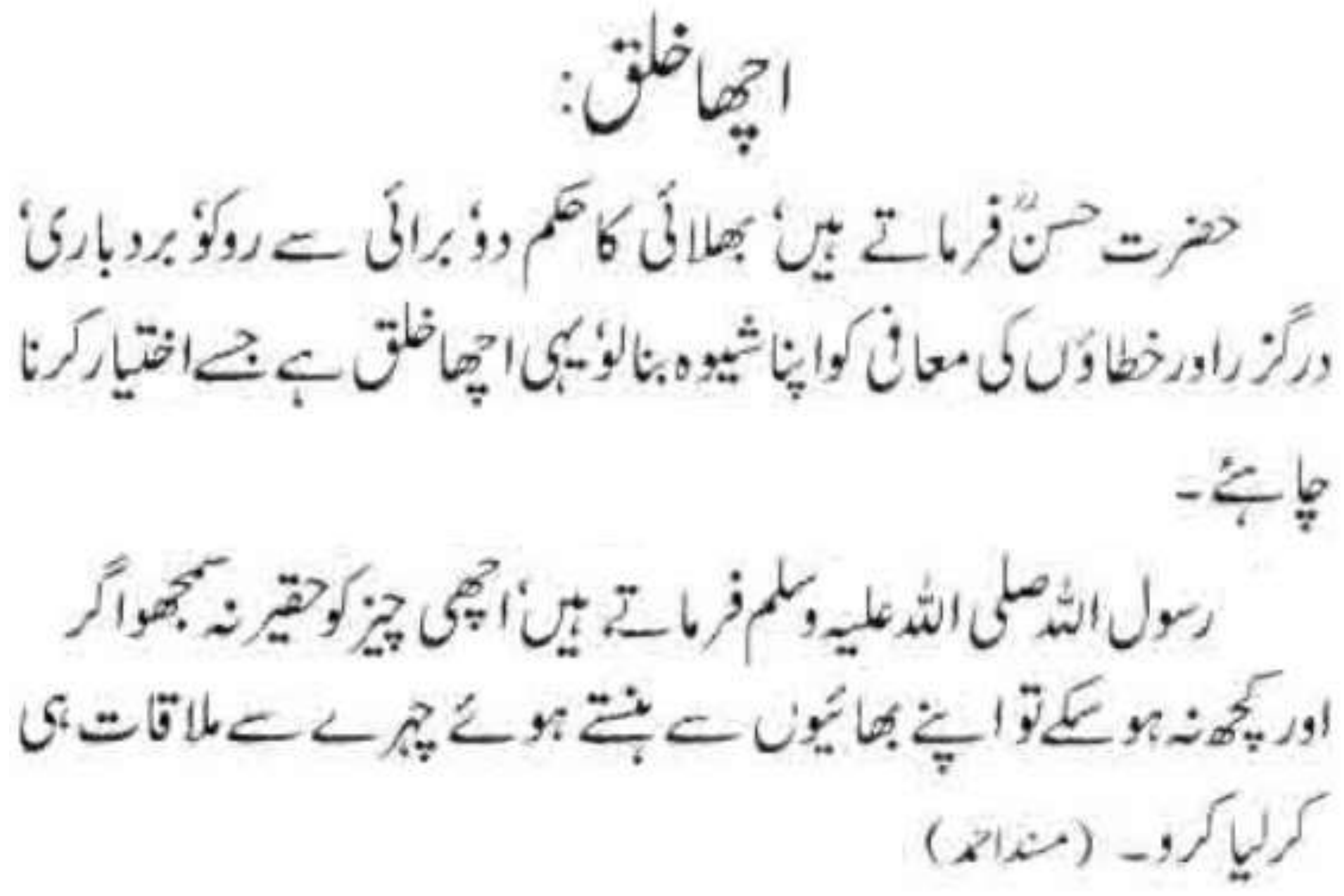

اچھا خلق:

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں‘ بھلائی کا حکم دو‘ برائی سے روکو‘ بردباری‘ درگزر اور خطاؤں کی معافی کو اپنا شیوہ بنالو‘ یہی اچھا خلق ہے جسے اختیار کرنا چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں‘ اچھی چیز کو حقیر نہ سمجھو اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو اپنے بھائیوں سے ہنستے ہوئے چہرے سے ملاقات ہی کرلیا کرو۔ (مسند احمد)

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

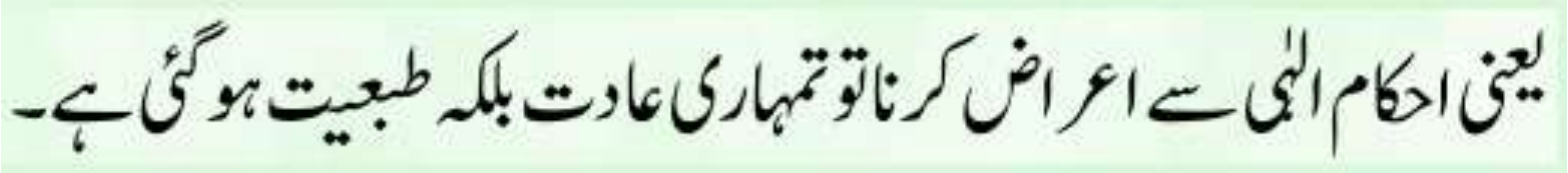

یعنی احکام الٰہی سے اعراض کرنا تو تمہاری عادت بلکہ طبیعت ہو گئی ہے۔

مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

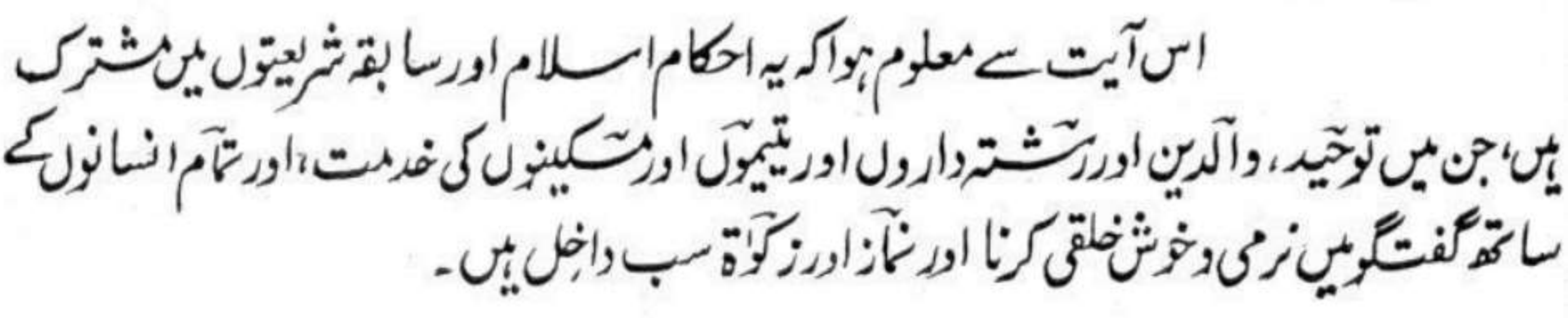

اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ احکام اسلام اور سابقہ شریعتوں میں مشترک ہیں، جن میں توحید، والدین اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کی خدمت، اور تمام انسانوں کے ساتھ گفتگو میں نرمی و خوش خلقی کرنا اور نماز اور زکوٰۃ سب داخل ہیں۔

جاری ہے

مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

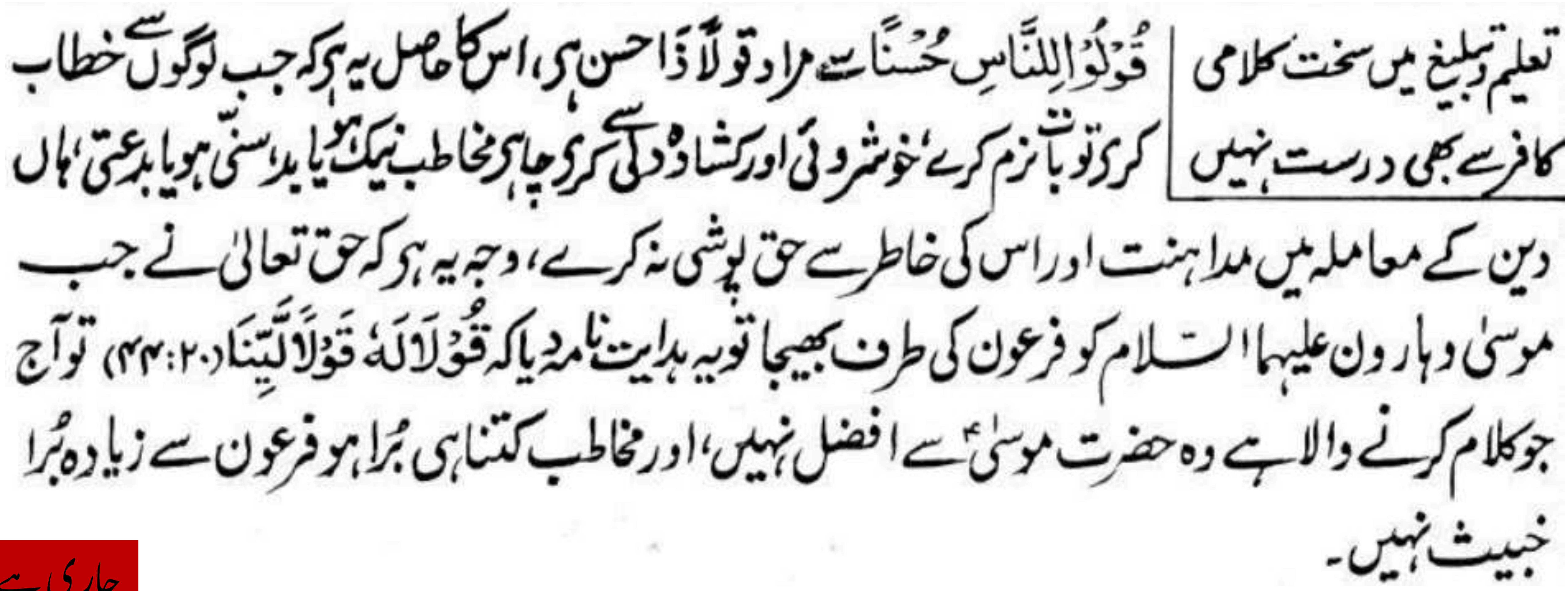

تعلیم وتبلیغ میں سخت کلامی کافر سے بھی درست نہیں

قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا سے مراد قولاً ذا حسن ہی، اس کا حاصل یہ ہی کہ جب لوگوں سے خطاب کریں تو بات نرم کرے، خوشروئی اور کشادہ دلی سے کریں چاہے مخاطب نیک ہو یا بد، سنی ہو یا بدعتی، ہاں دین کے معاملہ میں مداہنت اور اس کی خاطر سے حق پوشی نہ کرے، وجہ یہ ہی کہ حق تعالیٰ نے جب موسیٰ وہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو یہ ہدایت نامہ دیا کہ قُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا (۲۰:۴۴) تو آج جو کلام کرنے والا ہے وہ حضرت موسیٰؑ سے افضل نہیں، اور مخاطب کتنا ہی برا ہو فرعون سے زیادہ برا خبیث نہیں۔

جاری ہے

مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

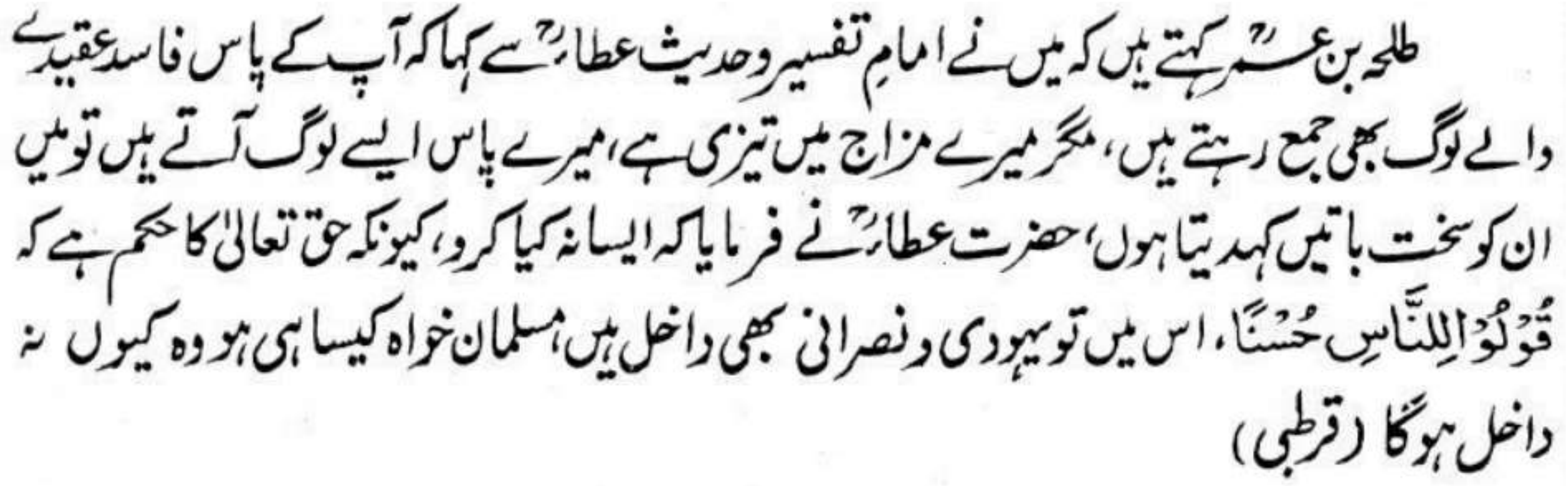

طلحہ بن عمرؒ کہتے ہیں کہ میں نے امامِ تفسیر و حدیث عطاءؒ سے کہا کہ آپ کے پاس فاسد عقیدے والے لوگ بھی جمع رہتے ہیں، مگر میرے مزاج میں تیزی ہے، میرے پاس ایسے لوگ آتے ہیں تو میں ان کو سخت باتیں کہہ دیتا ہوں، حضرت عطاءؒ نے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو، کیونکہ حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ اس میں تو یہودی و نصرانی بھی داخل ہیں، مسلمان خواہ کیسا ہی ہو وہ کیوں نہ داخل ہوگا (قرطبی)

ڈاکٹر مفتی عبدالواحدؒ (تفسیر فہم قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

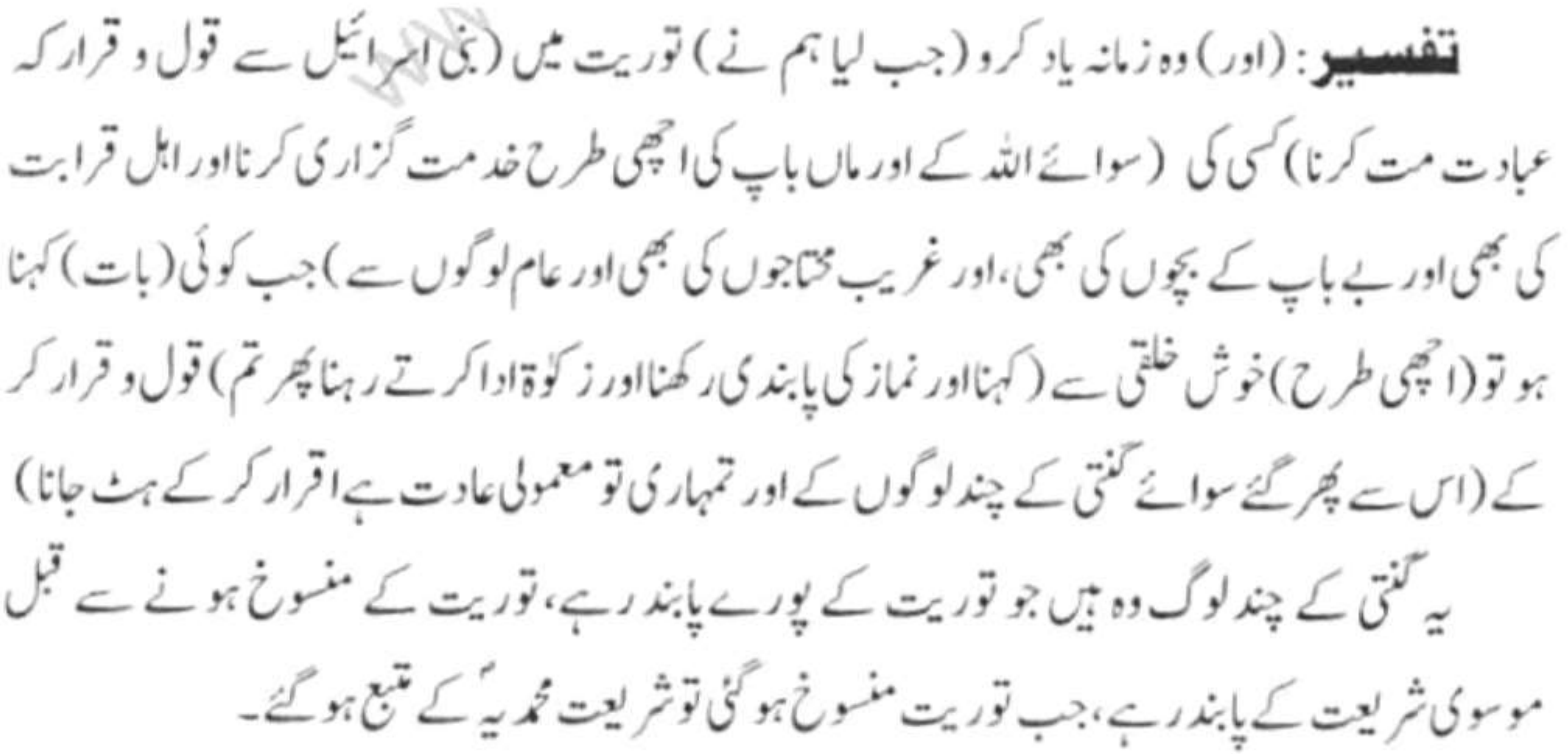

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب لیا ہم نے) توریت میں (بنی اسرائیل سے قول و قرار کہ عبادت مت کرنا) کسی کی (سوائے اللہ کے اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گزاری کرنا اور اہل قرابت کی بھی اور بے باپ کے بچوں کی بھی، اور غریب محتاجوں کی بھی اور عام لوگوں سے) جب کوئی (بات) کہنا ہو تو (اچھی طرح) خوش خلقی سے (کہنا اور نماز کی پابندی رکھنا اور زکوۃ ادا کرتے رہنا پھر تم) قول و قرار کر کے (اس سے پھر گئے سوائے گنتی کے چند لوگوں کے اور تمہاری تو معمولی عادت ہے اقرار کر کے ہٹ جانا)

یہ گنتی کے چند لوگ وہ ہیں جو توریت کے پورے پابند رہے، توریت کے منسوخ ہونے سے قبل موسوی شریعت کے پابند رہے، جب توریت منسوخ ہو گئی تو شریعت محمدیہ کے متبع ہو گئے۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ لَا تَسۡفِکُوۡنَ دِمَآءَکُمۡ وَ لَا تُخۡرِجُوۡنَ

اَنۡفُسَکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَ اَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ﴿۸۴﴾

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

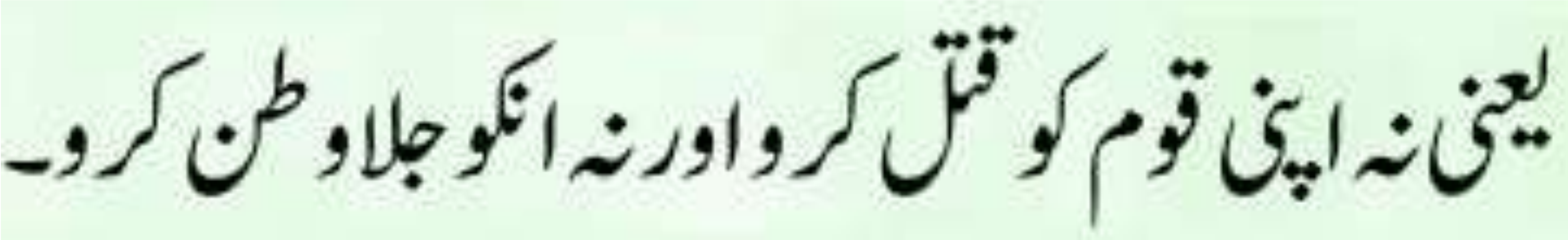

یعنی نہ اپنی قوم کو قتل کرو اور نہ انکو جلاوطن کرو۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

اس آیت شریفہ میں توریت شریف کے چند احکام مذکور ہیں۔ بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے پختہ عہد لیا تھا کہ تم ان سب کاموں کو کرنا انہوں نے عہد کرلیا لیکن ان میں سے تھوڑے سے آدمیوں کے علاوہ سب اس عہد سے پھر گئے اور عہد کی خلاف ورزی کرتے رہے۔ اُن کے عہد سے پھر جانے کا ذِکر فرمانے کے بعد یہ بھی فرمایا کہ وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ کہ اے یہودیو! تمہاری عادت اور مزاج ہی یہ ہے کہ حق سے اور قول وقرار سے اور اطاعت سے اعراض کیا کرتے ہو۔ اور خاص طور سے زمانہ نزول قرآن کے یہودیوں کو مخاطب فرمایا کہ تم بھی اپنے آباؤاجداد کے طریقے پر ہو اور قبول حق سے اعراض کیے ہوئے ہو۔ آیت شریفہ میں اوّل تو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور پھر والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم فرمایا اور لوگوں سے اچھی باتیں کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا۔ ان چیزوں کا سابقہ اُمتوں کو بھی حکم تھا اور یہ ایسی چیزیں ہیں جن پر نسخ وارد نہیں ہوا۔ اُمت محمدیہ بھی ان سب چیزوں کی مامور ہے۔

ڈاکٹر مفتی عبدالواحدؒ (تفسیر فہم قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

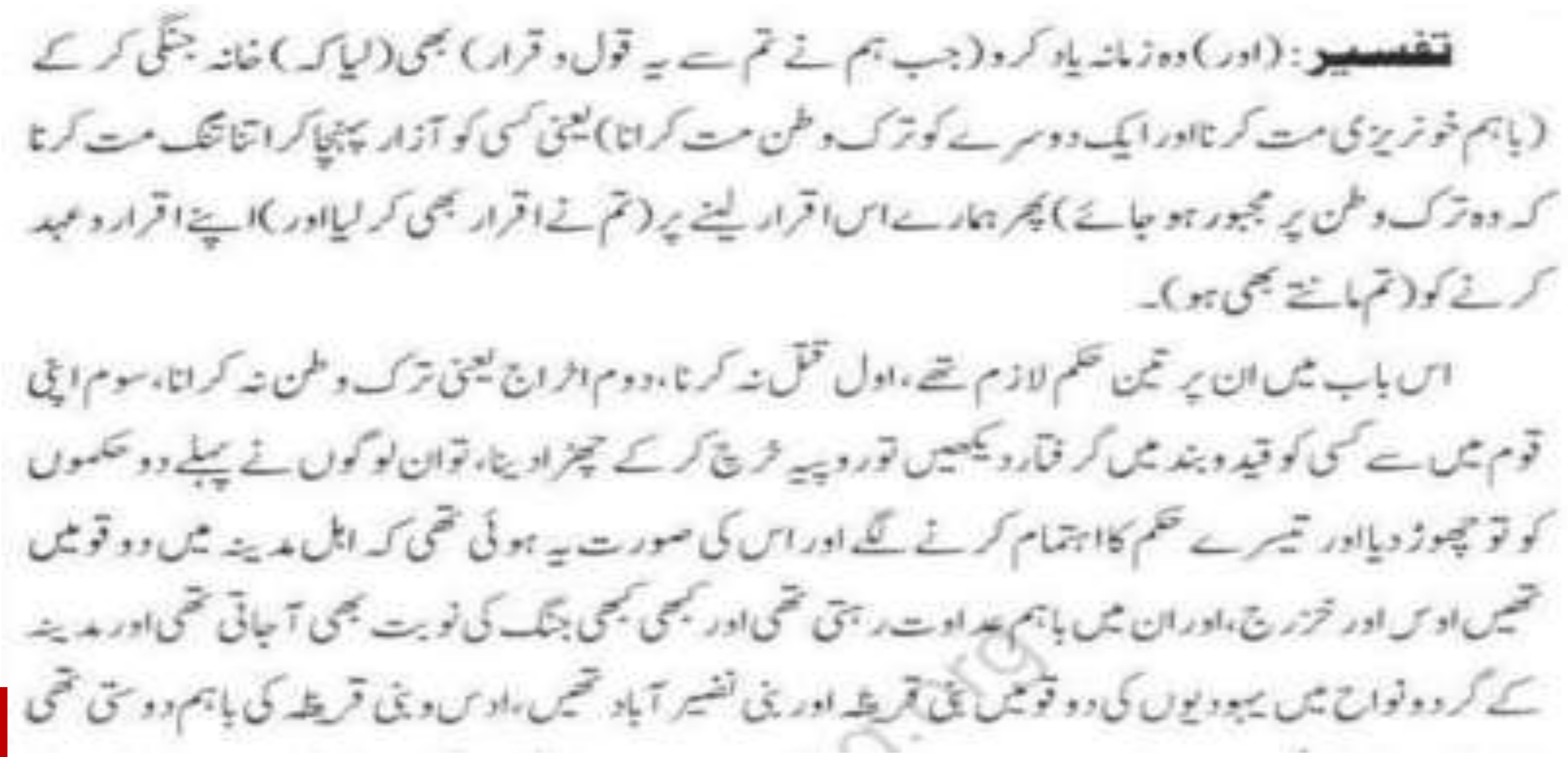

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب ہم نے تم سے یہ قول و قرار) بھی (لیا کہ) خانہ جنگی کر کے (باہم خونریزی مت کرنا اور ایک دوسرے کو ترک وطن مت کرانا) یعنی کسی کو آزار پہنچا کر اتنا تنگ مت کرنا کہ وہ ترک وطن پر مجبور ہو جائے) پھر ہمارے اس اقرار لینے پر (تم نے اقرار بھی کر لیا اور) اپنے اقرار و عہد کرنے کو (تم مانتے بھی ہو)۔

اس باب میں ان پر تین حکم لازم تھے، اول قتل نہ کرنا، دوم اخراج یعنی ترک وطن نہ کرانا، سوم اپنی قوم میں سے کسی کو قید و بند میں گرفتار دیکھیں تو روپیہ خرچ کر کے چھڑا دینا، تو ان لوگوں نے پہلے دو حکموں کو تو چھوڑ دیا اور تیسرے حکم کا اہتمام کرنے لگے اور اس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ اہل مدینہ میں دو قومیں تھیں اوس اور خزرج، اور ان میں باہم عداوت رہتی تھی اور کبھی کبھی جنگ کی نوبت بھی آجاتی تھی اور مدینہ کے گرد و نواح میں یہودیوں کی دو قومیں بنی قریظہ اور بنی نضیر آباد تھیں، اوس و بنی قریظہ کی باہم دوستی تھی

جاری ہے

جبکہ خزرج و بنی نضیر میں باہم یارانہ تھا، جب اوس و خزرج میں باہم لڑائی ہوتی تو دوستی کی بناء پر بنی قریظہ تو اوس کے مددگار ہوتے اور بنی نضیر خزرج کی طرفداری کرتے۔ تو جہاں اوس و خزرج مارے جاتے اور جلا وطن ہوتے تو ان کے دوستوں اور حامیوں کو بھی یہ مصیبت پیش آتی۔ اور ظاہر ہے کہ بنی قریظہ کے قتل و اخراج میں بنی نضیر کا بھی ہاتھ ہوتا اور ایسا ہی بالعکس۔ البتہ یہود کی دونوں جماعتوں میں سے اگر کوئی جنگ میں قید ہو جاتا تو ہر جماعت اپنے دوستوں کو مال پر راضی کر کے اس قیدی کو رہائی دلا دیتے اور کوئی پوچھتا کہ ایسا کیوں کرتے ہو تو اس کو جواب دیتے کہ اسیر کو رہا کرا دینا ہم پر واجب ہے اور اگر کوئی قتل و قتال میں معین و مددگار بننے پر اعتراض کرتا تو کہتے کہ کیا کریں دوستوں کا ساتھ نہ دینے سے عار آتی ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کی شکایت فرمائی اور ان کی حیلہ سازیوں کا پردہ چاک فرمایا ہے۔

www.ahlehaq

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

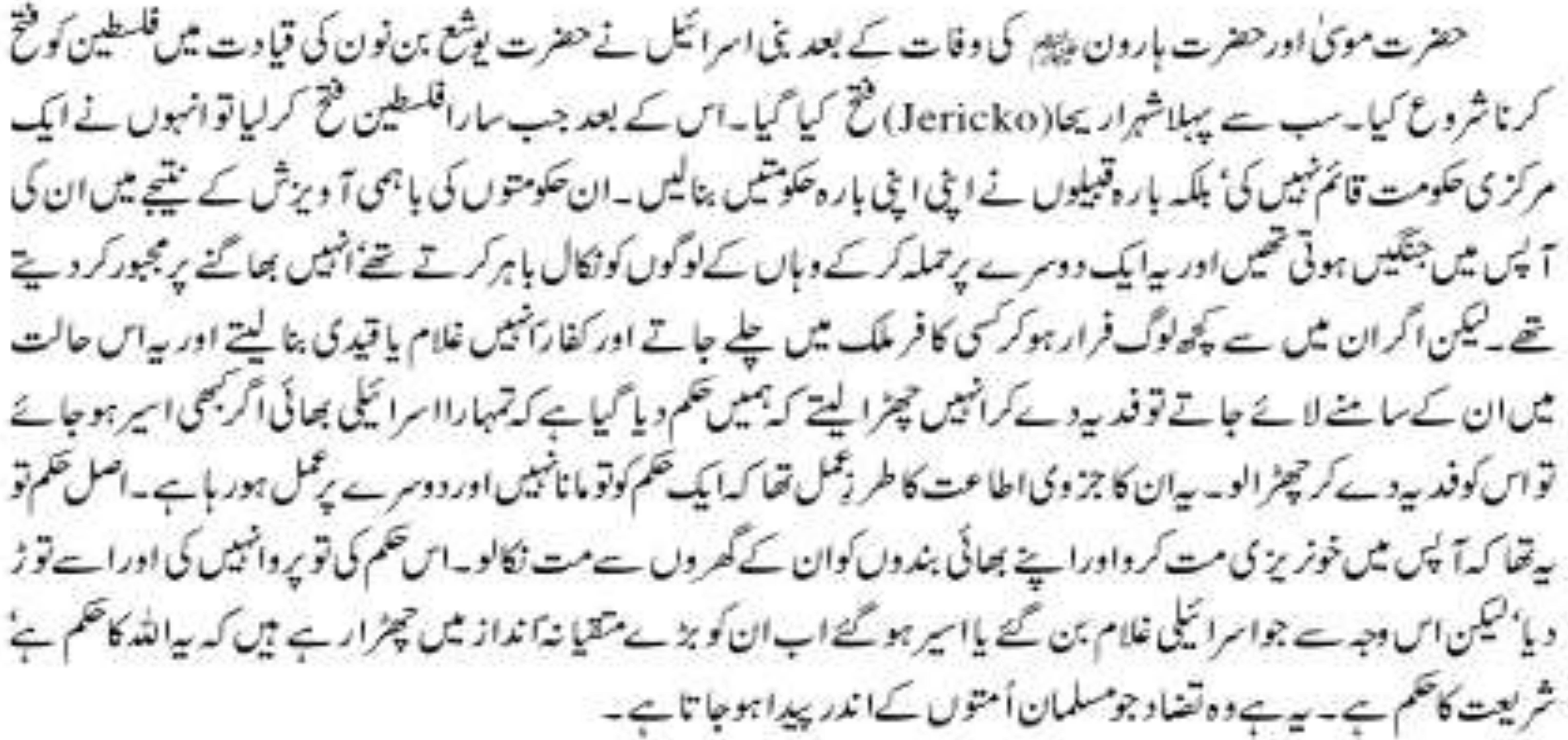

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے حضرت یوشع بن نون کی قیادت میں فلسطین کو فتح کرنا شروع کیا۔ سب سے پہلا شہر اریحا (Jericko) فتح کیا گیا۔ اس کے بعد جب سارا فلسطین فتح کر لیا تو انہوں نے ایک مرکزی حکومت قائم نہیں کی، بلکہ بارہ قبیلوں نے اپنی اپنی بارہ حکومتیں بنا لیں۔ ان حکومتوں کی باہمی آویزش کے نتیجے میں ان کی آپس میں جنگیں ہوتی تھیں اور یہ ایک دوسرے پر حملہ کر کے وہاں کے لوگوں کو نکال باہر کرتے تھے، انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیتے تھے۔ لیکن اگر ان میں سے کچھ لوگ فرار ہو کر کسی کافر ملک میں چلے جاتے اور کفار انہیں غلام یا قیدی بنا لیتے اور یہ اس حالت میں ان کے سامنے لائے جاتے تو فدیہ دے کر انہیں چھڑا لیتے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ تمہارا اسرائیلی بھائی اگر کبھی اسیر ہو جائے تو اس کو فدیہ دے کر چھڑا لو۔ یہ ان کا جزوی اطاعت کا طرزِ عمل تھا کہ ایک حکم کو تو مانا نہیں اور دوسرے پر عمل ہو رہا ہے۔ اصل حکم تو یہ تھا کہ آپس میں خونریزی مت کرو اور اپنے بھائی بندوں کو ان کے گھروں سے مت نکالو۔ اس حکم کی تو پروا نہیں کی اور اسے توڑ دیا، لیکن اس وجہ سے جو اسرائیلی غلام بن گئے یا اسیر ہو گئے اب ان کو بڑے متقیانہ انداز میں چھڑا رہے ہیں کہ یہ اللہ کا حکم ہے، شریعت کا حکم ہے۔ یہ ہے وہ تضاد جو مسلمان اُمتوں کے اندر پیدا ہو جاتا ہے۔

مولانا ابو نعمان سیف اللہ خالدؒ (دعوۃ القرآن میں) فرماتے ہیں کہ :

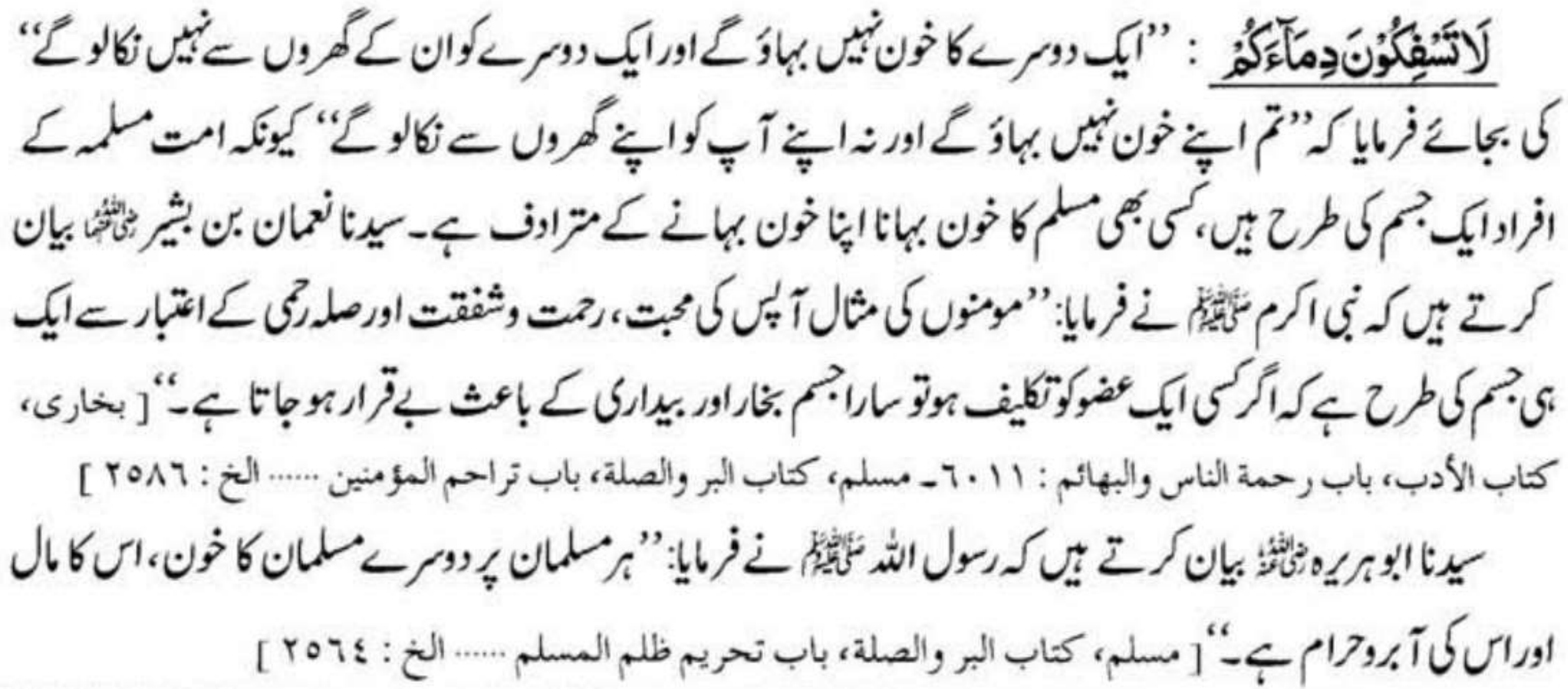

لَاتَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ : ’’ایک دوسرے کا خون نہیں بہاؤ گے اور ایک دوسرے کو ان کے گھروں سے نہیں نکالو گے‘‘ کی بجائے فرمایا کہ ’’تم اپنے خون نہیں بہاؤ گے اور نہ اپنے آپ کو اپنے گھروں سے نکالو گے‘‘ کیونکہ امت مسلمہ کے افراد ایک جسم کی طرح ہیں، کسی بھی مسلم کا خون بہانا اپنا خون بہانے کے مترادف ہے۔ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’مومنوں کی مثال آپس کی محبت، رحمت و شفقت اور صلہ رحمی کے اعتبار سے ایک ہی جسم کی طرح ہے کہ اگر کسی ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم بخار اور بیداری کے باعث بے قرار ہو جاتا ہے۔‘‘ [بخاری، كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم : ٦٠١١۔ مسلم، كتاب البر والصلة، باب تراحم المؤمنين …… الخ : ٢٥٨٦]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی آبرو حرام ہے۔‘‘ [مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم …… الخ : ٢٥٦٤]

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۫ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ ؕ وَ اِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ
الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝٨٥

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

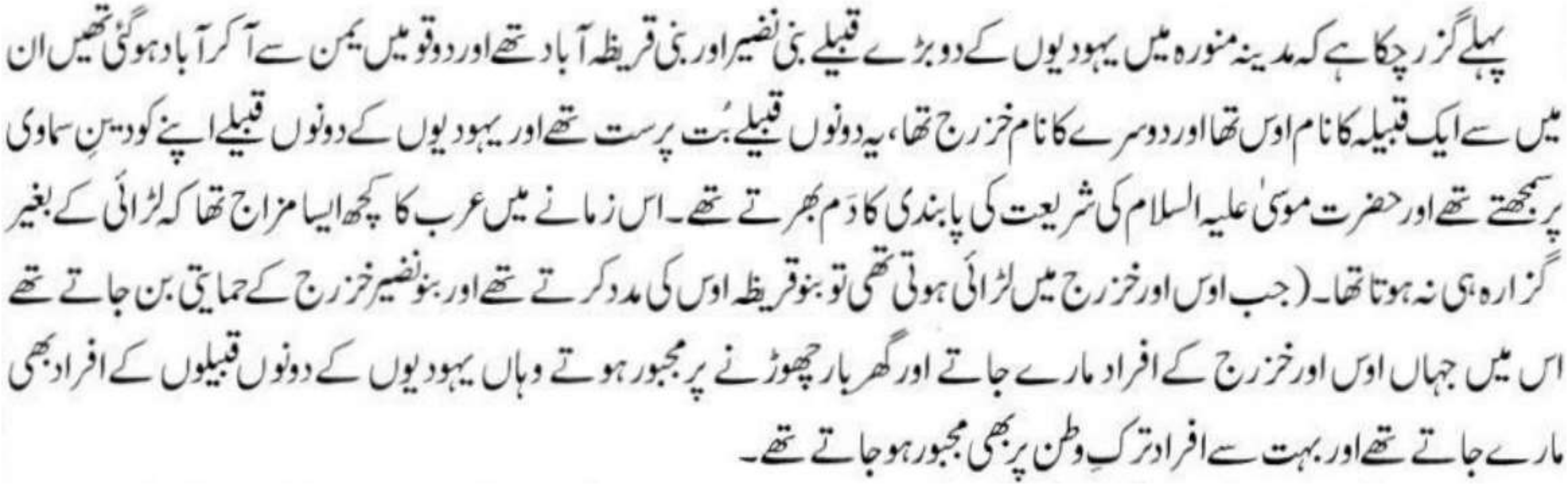

پہلے گزر چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو بڑے قبیلے بنی نضیر اور بنی قریظہ آباد تھے اور دو قومیں یمن سے آ کر آباد ہو گئی تھیں ان میں سے ایک قبیلہ کا نام اوس تھا اور دوسرے کا نام خزرج تھا، یہ دونوں قبیلے بُت پرست تھے اور یہودیوں کے دونوں قبیلے اپنے کو دینِ سماوی پر سمجھتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی پابندی کا دَم بھرتے تھے۔ اس زمانے میں عرب کا کچھ ایسا مزاج تھا کہ لڑائی کے بغیر گزارہ ہی نہ ہوتا تھا۔ (جب اوس اور خزرج میں لڑائی ہوتی تھی تو بنو قریظہ اوس کی مدد کرتے تھے اور بنو نضیر خزرج کے حمایتی بن جاتے تھے اس میں جہاں اوس اور خزرج کے افراد مارے جاتے اور گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوتے وہاں یہودیوں کے دونوں قبیلوں کے افراد بھی مارے جاتے تھے اور بہت سے افراد ترکِ وطن پر بھی مجبور ہو جاتے تھے۔

جاری ہے

اور جب بنی نضیر اور بنی قریظہ کے کسی فرد کو دشمن قید کر لیتا تو اُس کے چھڑانے کے لئے ان کی دونوں جماعتیں پیسے خرچ کرنے کے لئے تیار ہو جاتی تھیں جب اُن سے کوئی پوچھتا کہ تم اس کو کیوں چھڑا رہے ہو تمہاری حرکت سے تو وہ دشمن کے قبضے میں گیا ہے اور ترک وطن پر مجبور ہوا ہے تو جواب دیتے تھے کہ ہم کو شریعت موسوی میں یہ حکم دیا گیا کہ جب کسی کو قیدی دیکھو تو اسے رہائی دِلا دو۔ لہٰذا ہم اس حکم کی پابندی کرتے ہیں اس حکم پر عمل کرنے کو تو تیار تھے کہ قیدی کو رہائی دلا دیں۔ لیکن جس وجہ سے وہ گھر سے بے گھر ہوا اور دشمن کے چنگل میں پڑ کر قیدی ہوا اس کے اختیار کرنے یعنی اپنوں کے مقابلہ میں جنگ کرنے والوں کی مدد سے پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ اُن سے کہا جاتا تھا کہ تم یہ کیا کرتے ہو تم خود ہی اپنوں کے مقابلہ میں مددگار بنے اور اُس قتال کی وجہ سے تمہارا آدمی گرفتار ہو کر قیدی ہوا، اب اس کے چھڑانے کو تیار ہو؟ اس کا جواب یہ دیتے تھے کہ چونکہ اوس اور خزرج ہمارے حلیف ہیں اس لئے ان کی مدد کرنے پر مجبور ہیں۔

جاری ہے

اللہ جل شانہٗ نے اسی کو بیان فرمایا کہ: اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (کیا تم کتاب کے بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض پر ایمان نہیں رکھتے)۔

کیا توریت شریف میں قیدی کے چھڑانے ہی کا حکم ہے اور کیا آپس کا قتل وقتال اور ایک دوسرے کو جلا وطن کرنا توریت شریف میں ممنوع نہیں ہے؟ یعنی قتل وقتال کی ممانعت پر تو عمل نہ کیا اور قیدی کو چھڑانے کے لئے پیسے خرچ کرنے کو تیار ہو گئے۔ حالانکہ اس کا قیدی ہونا قتل وقتال کی بنیاد پر ہے۔ نہ قتل وقتال کرتے نہ یہ قیدی ہو کر آتا۔ لہٰذا معاملہ شریعتِ موسوی کا نہ رہا بلکہ اپنی طبیعت کا رہا۔ جس حکم کو چاہا مانا اور جس حکم کو چاہا نہ مانا، جس حکم کو مانا اسے ایمان سے اور جس حکم کو نہ مانا اُسے کفر سے تعبیر فرمایا اگر دل سے کسی حکمِ قطعی کا مُنکر ہو جائے تب تو کافر ہو ہی جاتا ہے اور اگر دل سے مُنکر نہ ہو لیکن عمل حکم کے خلاف ہو تو اس عمل کا کرنے والا گناہ کا مرتکب تو ہو ہی جاتا ہے جو منکروں اور کافروں کا طریقہ ہے۔

جاری ہے

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

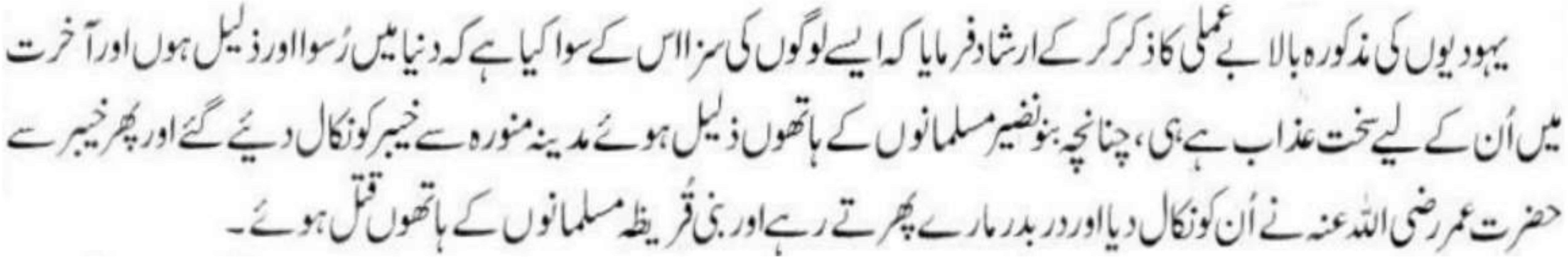

یہودیوں کی مذکورہ بالا بے عملی کا ذکر کر کے ارشاد فرمایا کہ ایسے لوگوں کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دنیا میں رُسوا اور ذلیل ہوں اور آخرت میں اُن کے لیے سخت عذاب ہے ہی، چنانچہ بنونضیر مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل ہوئے مدینہ منورہ سے خیبر کو نکال دیئے گئے اور پھر خیبر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو نکال دیا اور در بدر مارے پھرتے رہے اور بنی قُریظہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

جاری ہے

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

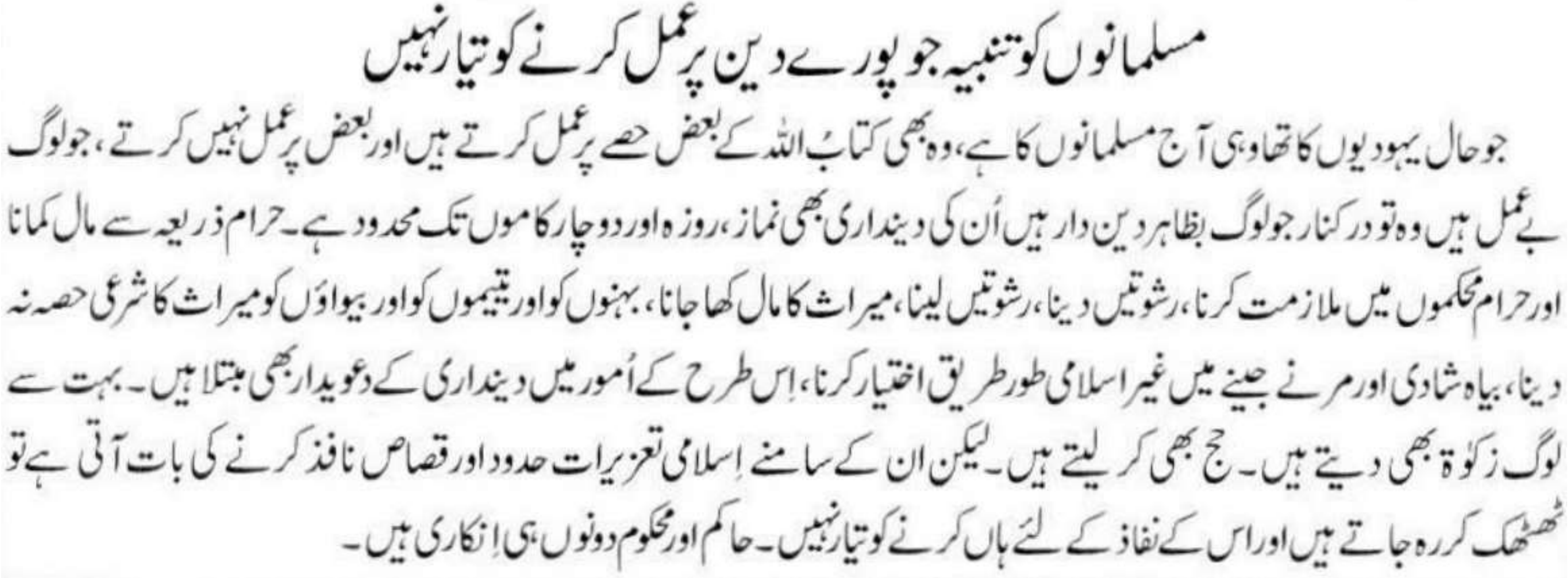

مسلمانوں کو تنبیہ جو پورے دین پر عمل کرنے کو تیار نہیں

جو حال یہودیوں کا تھا وہی آج مسلمانوں کا ہے، وہ بھی کتابُ اللہ کے بعض حصے پر عمل کرتے ہیں اور بعض پر عمل نہیں کرتے، جو لوگ بے عمل ہیں وہ تو درکنار جو لوگ بظاہر دین دار ہیں اُن کی دینداری بھی نماز، روزہ اور دو چار کاموں تک محدود ہے۔ حرام ذریعہ سے مال کمانا اور حرام محکموں میں ملازمت کرنا، رشوتیں دینا، رشوتیں لینا، میراث کا مال کھا جانا، بہنوں کو اور یتیموں کو اور بیواؤں کو میراث کا شرعی حصہ نہ دینا، بیاہ شادی اور مرنے جینے میں غیر اسلامی طور طریق اختیار کرنا، اِس طرح کے اُمور میں دینداری کے دعویدار بھی مبتلا ہیں۔ بہت سے لوگ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ حج بھی کر لیتے ہیں۔ لیکن ان کے سامنے اِسلامی تعزیرات حدود اور قصاص نافذ کرنے کی بات آتی ہے تو ٹھٹھک کر رہ جاتے ہیں اور اس کے نفاذ کے لئے ہاں کرنے کو تیار نہیں۔ حاکم اور محکوم دونوں ہی اِنکاری ہیں۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

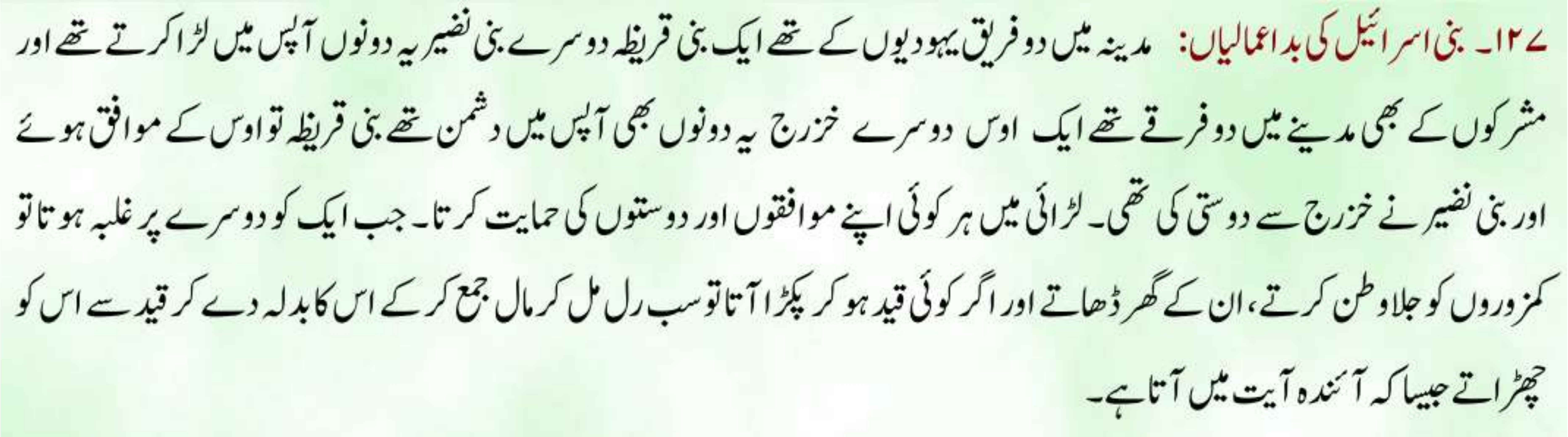

۱۲۷۔ بنی اسرائیل کی بداعمالیاں: مدینہ میں دو فریق یہودیوں کے تھے ایک بنی قریظہ دوسرے بنی نضیر یہ دونوں آپس میں لڑا کرتے تھے اور مشرکوں کے بھی مدینے میں دو فرقے تھے ایک اوس دوسرے خزرج یہ دونوں بھی آپس میں دشمن تھے بنی قریظہ تو اوس کے موافق ہوئے اور بنی نضیر نے خزرج سے دوستی کی تھی۔ لڑائی میں ہر کوئی اپنے موافقوں اور دوستوں کی حمایت کرتا۔ جب ایک کو دوسرے پر غلبہ ہوتا تو کمزوروں کو جلاوطن کرتے، ان کے گھر ڈھاتے اور اگر کوئی قید ہو کر پکڑا آتا تو سب رل مل کر مال جمع کر کے اس کا بدلہ دے کر قید سے اس کو چھڑاتے جیسا کہ آئندہ آیت میں آتا ہے۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

۱۲۸۔ یعنی اپنی قوم غیر کے ہاتھ میں پھنستی تو چھڑانے کو مستعد اور خود ان کے ستانے اور گلا کاٹنے تک کو موجود۔ اگر خدا کے حکم پر چلتے ہو تو دونوں جگہ پر چلو۔

۱۲۹۔ **شریعت کے سب احکام پر عمل ضروری ہے:** ایسا کرے یعنی بعض احکام کو مانے اور بعض کا انکار کرے اس لئے کہ ایمان کا تجزیہ تو ممکن نہیں تو اب بعض احکام کا انکار کرنے والا بھی کافر مطلق ہو گا۔ صرف بعض احکام پر ایمان لانے سے کچھ بھی ایمان نصیب نہ ہو گا۔ اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی شخص بعض احکام شرعیہ کی تو متابعت کرے اور جو حکم کہ اس کی طبعیت یا عادت یا غرض کے خلاف ہو اس کے قبول میں قصور کرے تو بعض احکام کی متابعت اس کو کچھ نفع نہیں دے سکتی۔

مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

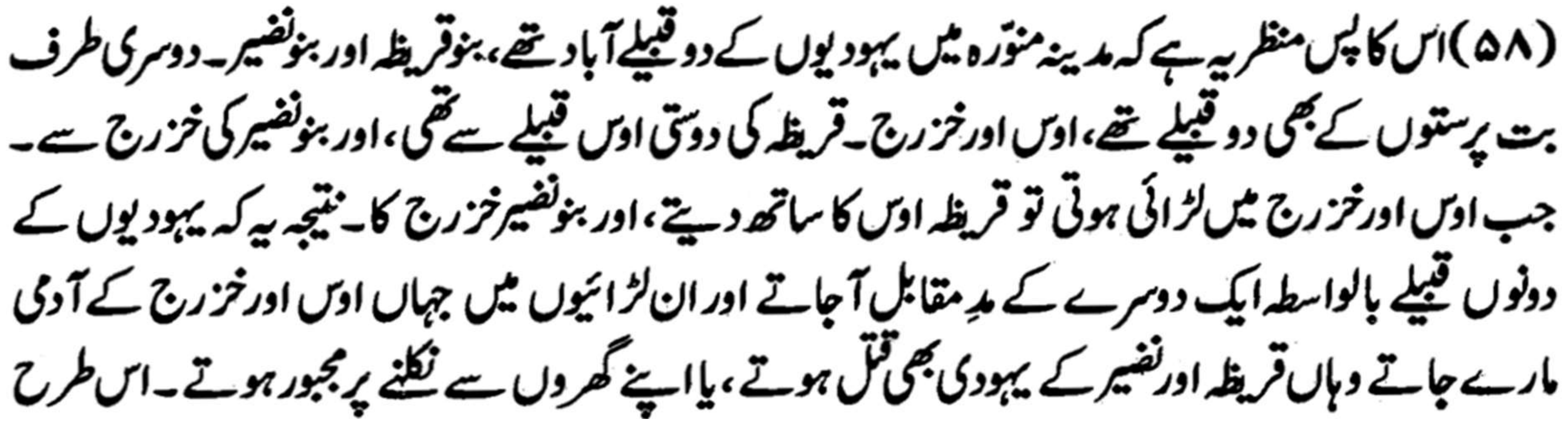

(۵۸) اس کا پس منظر یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو قبیلے آباد تھے، بنو قریظہ اور بنو نضیر۔ دوسری طرف بت پرستوں کے بھی دو قبیلے تھے، اوس اور خزرج۔ قریظہ کی دوستی اوس قبیلے سے تھی، اور بنو نضیر کی خزرج سے۔ جب اوس اور خزرج میں لڑائی ہوتی تو قریظہ اوس کا ساتھ دیتے، اور بنو نضیر خزرج کا۔ نتیجہ یہ کہ یہودیوں کے دونوں قبیلے بالواسطہ ایک دوسرے کے مدِ مقابل آجاتے اور ان لڑائیوں میں جہاں اوس اور خزرج کے آدمی مارے جاتے وہاں قریظہ اور نضیر کے یہودی بھی قتل ہوتے، یا اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور ہوتے۔ اس طرح

جاری ہے

اگرچہ بنو قریظہ اور بنو نضیر دونوں قبیلے یہودی تھے، مگر وہ ایک دوسرے کے دُشمنوں کی امداد کر کے آپس میں ایک دوسرے کے قتل اور خانماں بربادی میں حصہ دار ہوتے تھے۔ ہاں اگر کوئی یہودی دُشمن کے ہاتھوں قید ہو جاتا تو وہ سب مل کر اس کا فدیہ ادا کرتے اور اسے چھڑا لیتے جس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ ہمیں تورات نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر کوئی یہودی دُشمن کی قید میں چلا جائے تو اسے چھڑائیں۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ جس تورات نے یہ حکم دیا ہے اسی نے یہ حکم بھی تو دیا تھا کہ نہ ایک دوسرے کو قتل کرنا، نہ ایک دوسرے کو گھر سے نکالنا۔ ان اَحکام کو تو تم نے چھوڑ دیا اور صرف فدیہ کے حکم پر عمل کر لیا۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ (تفسیر ماجدی میں) فرماتے ہیں کہ:

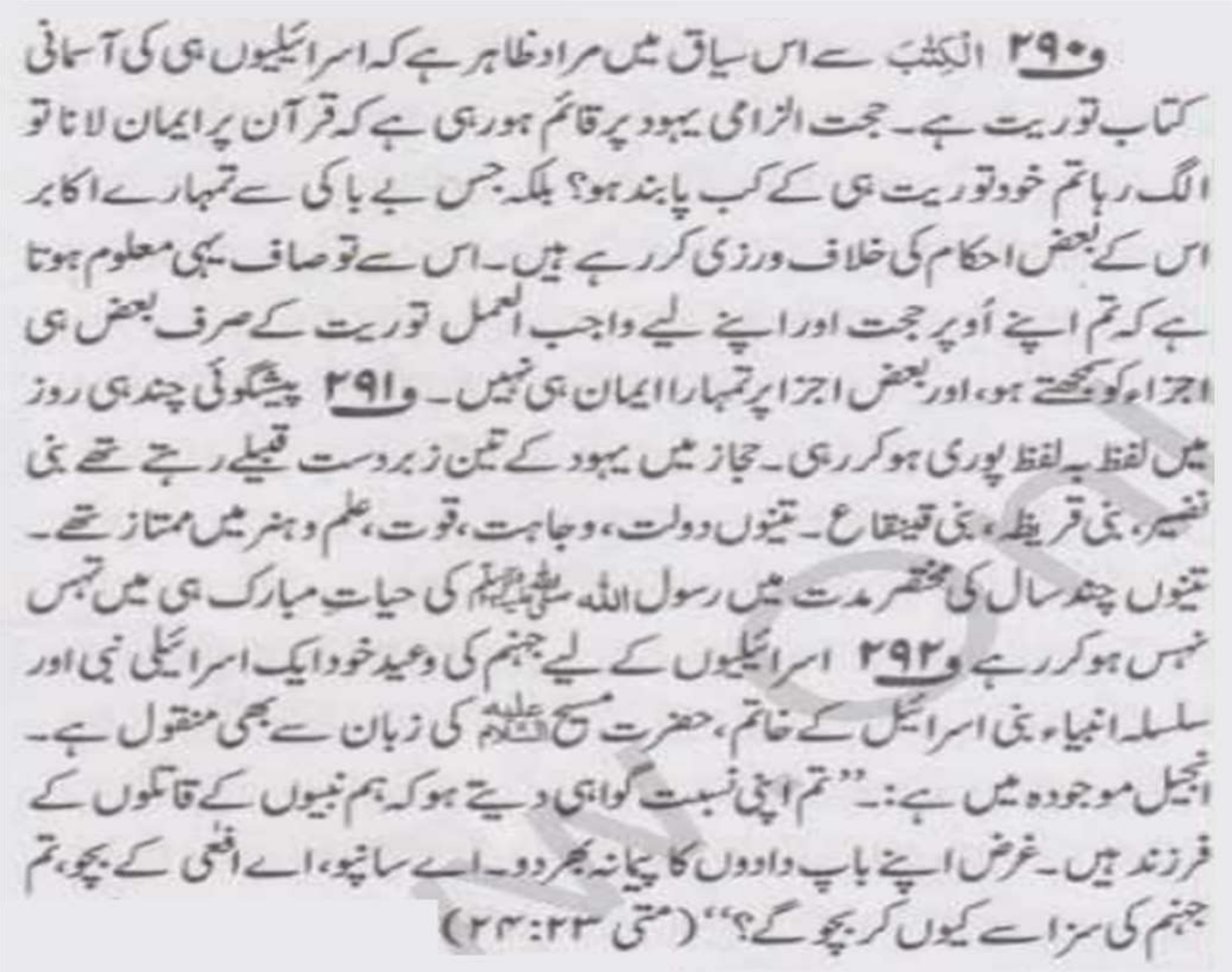

ف۲۹۰ الکتٰب سے اس سیاق میں مراد ظاہر ہے کہ اسرائیلیوں ہی کی آسمانی کتاب توریت ہے۔ حجت الزامی یہود پر قائم ہورہی ہے کہ قرآن پر ایمان لانا تو الگ رہا تم خود توریت ہی کے کب پابند ہو؟ بلکہ جس بے باکی سے تمہارے اکابر اس کے بعض احکام کی خلاف ورزی کررہے ہیں۔ اس سے تو صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے اُوپر حجت اور اپنے لیے واجب العمل توریت کے صرف بعض ہی اجزاء کو سمجھتے ہو، اور بعض اجزا پر تمہارا ایمان ہی نہیں۔ ف۲۹۱ پیشگوئی چند ہی روز میں لفظ بہ لفظ پوری ہوکر رہی۔ حجاز میں یہود کے تین زبردست قبیلے رہتے تھے بنی نضیر، بنی قریظہ، بنی قینقاع۔ تینوں دولت، وجاہت، قوت، علم و ہنر میں ممتاز تھے۔ تینوں چند سال کی مختصر مدت میں رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارک ہی میں تہس نہس ہوکر رہے ف۲۹۲ اسرائیلیوں کے لیے جہنم کی وعید خود ایک اسرائیلی نبی اور سلسلہ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم، حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے بھی منقول ہے۔ انجیل موجودہ میں ہے:۔ ”تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ ہم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہیں۔ غرض اپنے باپ دادوں کا پیمانہ بھر دو۔ اے سانپو، اے افعی کے بچو، تم جہنم کی سزا سے کیوں کر بچو گے؟“ (متی ۲۳:۲۴)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

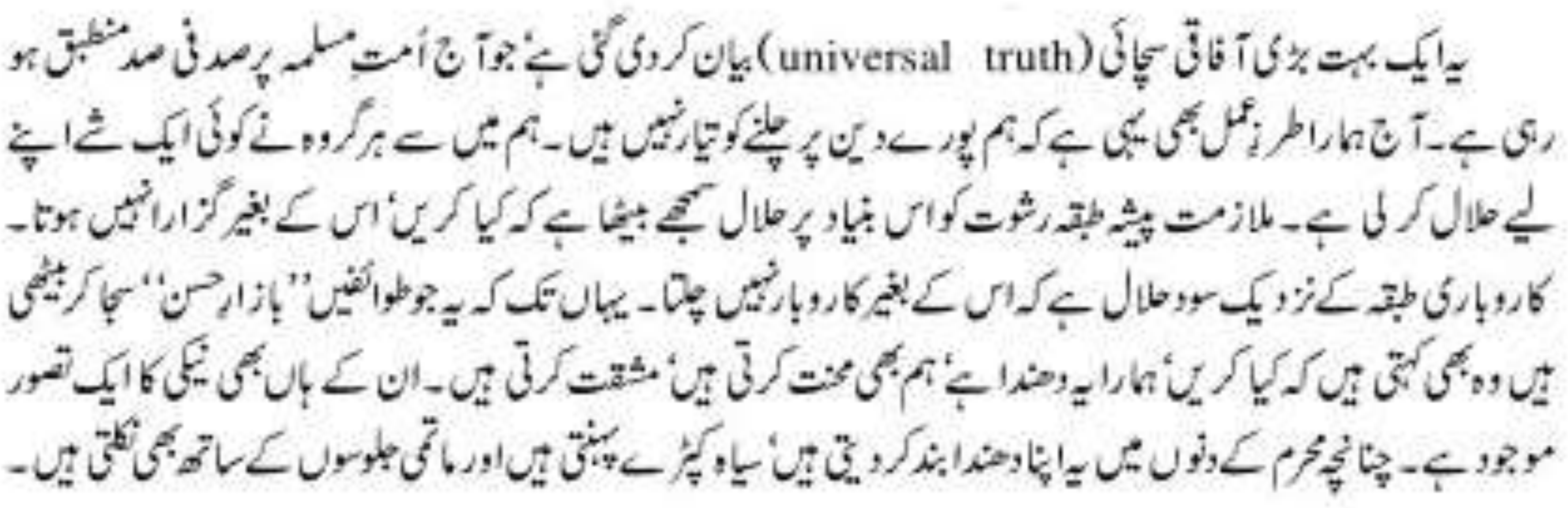

یہ ایک بہت بڑی آفاقی سچائی (universal truth) بیان کر دی گئی ہے، جو آج اُمتِ مسلمہ پر صد فی صد منطبق ہو رہی ہے۔ آج ہمارا طرزِ عمل بھی یہی ہے کہ ہم پورے دین پر چلنے کو تیار نہیں ہیں۔ ہم میں سے ہر گروہ نے کوئی ایک شے اپنے لیے حلال کر لی ہے۔ ملازمت پیشہ طبقہ رشوت کو اس بنیاد پر حلال سمجھے بیٹھا ہے کہ کیا کریں، اس کے بغیر گزارا نہیں ہوتا۔ کاروباری طبقہ کے نزدیک سود حلال ہے کہ اس کے بغیر کاروبار نہیں چلتا۔ یہاں تک کہ یہ جو طوائفیں ’’بازارِ حسن‘‘ سجا کر بیٹھی ہیں وہ بھی کہتی ہیں کہ کیا کریں، ہمارا یہ دھندا ہے، ہم بھی محنت کرتی ہیں، مشقت کرتی ہیں۔ ان کے ہاں بھی نیکی کا ایک تصور موجود ہے۔ چنانچہ محرم کے دنوں میں یہ اپنا دھندا بند کر دیتی ہیں، سیاہ کپڑے پہنتی ہیں اور ماتمی جلوسوں کے ساتھ بھی نکلتی ہیں۔

جاری ہے

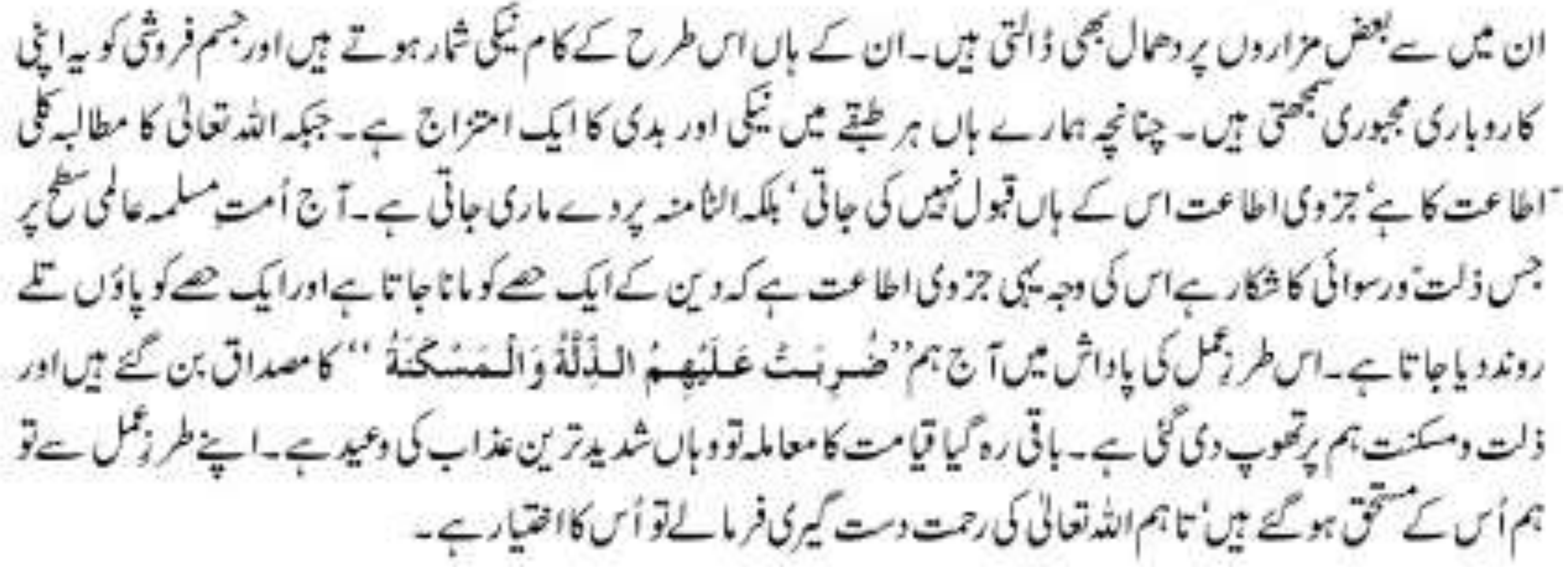

ان میں سے بعض مزاروں پر دھمال بھی ڈالتی ہیں۔ ان کے ہاں اس طرح کے کام نیکی شمار ہوتے ہیں اور جسم فروشی کو یہ اپنی کاروباری مجبوری سمجھتی ہیں۔ چنانچہ ہمارے ہاں ہر طبقے میں نیکی اور بدی کا ایک امتزاج ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا مطالبہ کلی "اطاعت کا ہے' جزوی اطاعت اس کے ہاں قبول نہیں کی جاتی' بلکہ الٹا منہ پر دے ماری جاتی ہے۔ آج اُمتِ مسلمہ عالمی سطح پر جس ذلت ورسوائی کا شکار ہے اس کی وجہ یہی جزوی اطاعت ہے کہ دین کے ایک حصے کو مانا جاتا ہے اور ایک حصے کو پاؤں تلے روند دیا جاتا ہے۔ اس طرزِ عمل کی پاداش میں آج ہم "ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ" کا مصداق بن گئے ہیں اور ذلت و مسکنت ہم پر تھوپ دی گئی ہے۔ باقی رہ گیا قیامت کا معاملہ تو وہاں شدید ترین عذاب کی وعید ہے۔ اپنے طرزِ عمل سے تو ہم اُس کے مستحق ہو گئے ہیں' تاہم اللہ تعالیٰ کی رحمت دست گیری فرمالے تو اُس کا اختیار ہے۔

جاری ہے

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

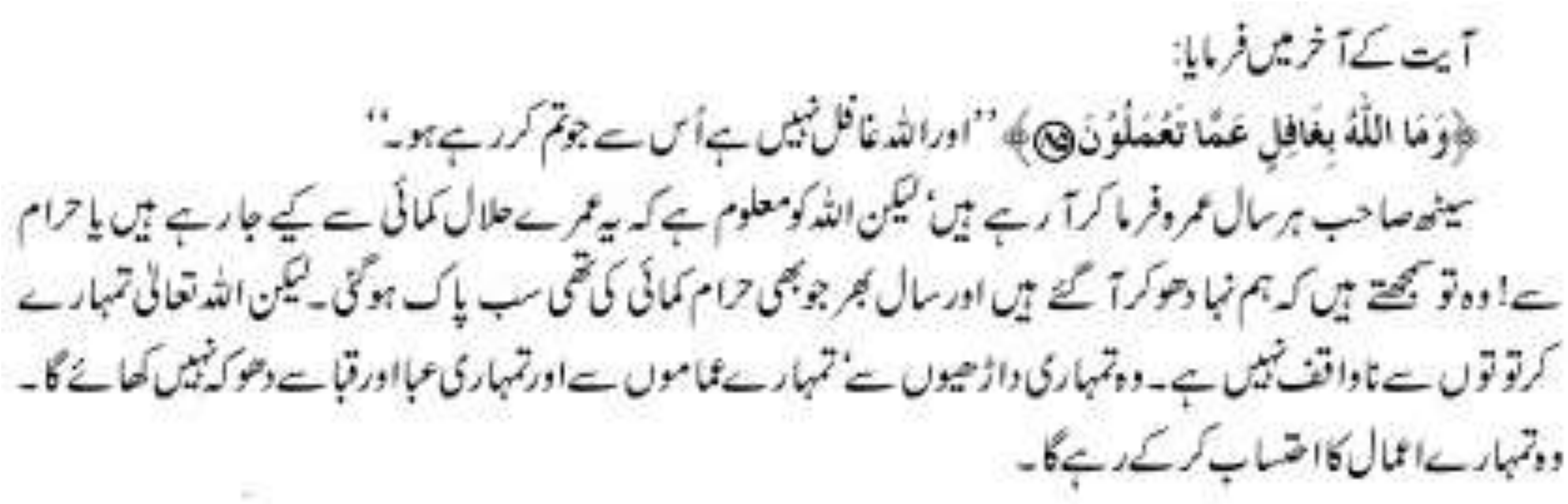

آیت کے آخر میں فرمایا:

﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۷۴﴾ ''اور اللہ غافل نہیں ہے اُس سے جو تم کر رہے ہو۔''

سیٹھ صاحب ہر سال عمرہ فرما کر آ رہے ہیں، لیکن اللہ کو معلوم ہے کہ یہ عمرے حلال کمائی سے کیے جا رہے ہیں یا حرام سے! وہ تو سمجھتے ہیں کہ ہم نہا دھو کر آ گئے ہیں اور سال بھر جو بھی حرام کمائی کی تھی سب پاک ہو گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوتوں سے ناواقف نہیں ہے۔ وہ تمہاری داڑھیوں سے، تمہارے عماموں سے اور تمہاری عبا اور قبا سے دھوکہ نہیں کھائے گا۔ وہ تمہارے اعمال کا احتساب کر کے رہے گا۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ز فَلَا يُخَفَّفُ

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٨٦﴾ ع

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

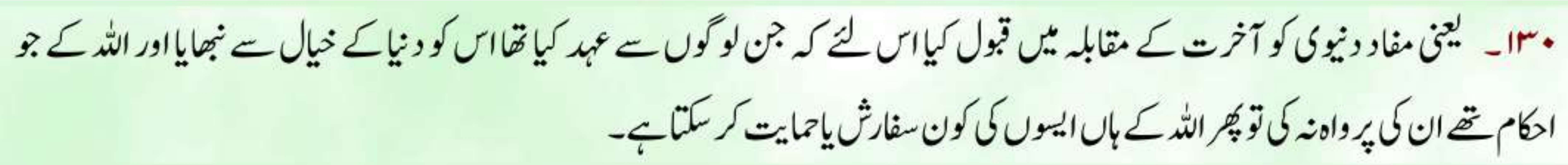

۱۳۰۔ یعنی مفاد دنیوی کو آخرت کے مقابلہ میں قبول کیا اس لئے کہ جن لوگوں سے عہد کیا تھا اس کو دنیا کے خیال سے نبھایا اور اللہ کے جو احکام تھے ان کی پرواہ نہ کی تو پھر اللہ کے ہاں ایسوں کی کون سفارش یا حمایت کر سکتا ہے۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

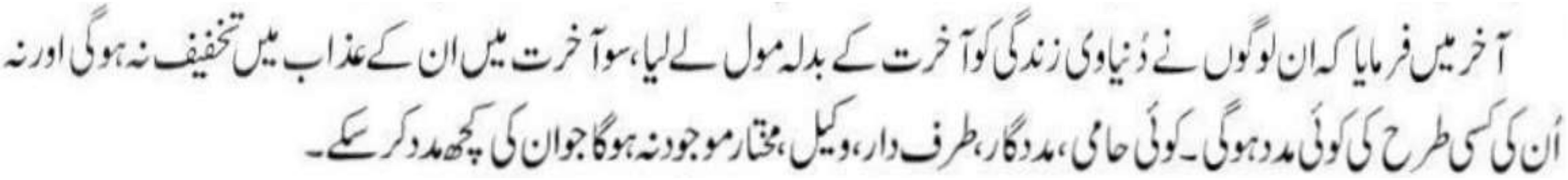

آخر میں فرمایا کہ ان لوگوں نے دُنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلہ مول لے لیا، سو آخرت میں ان کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی اور نہ اُن کی کسی طرح کی کوئی مدد ہوگی۔ کوئی حامی، مددگار، طرف دار، وکیل، مختار موجود نہ ہوگا جو ان کی کچھ مدد کر سکے۔

مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

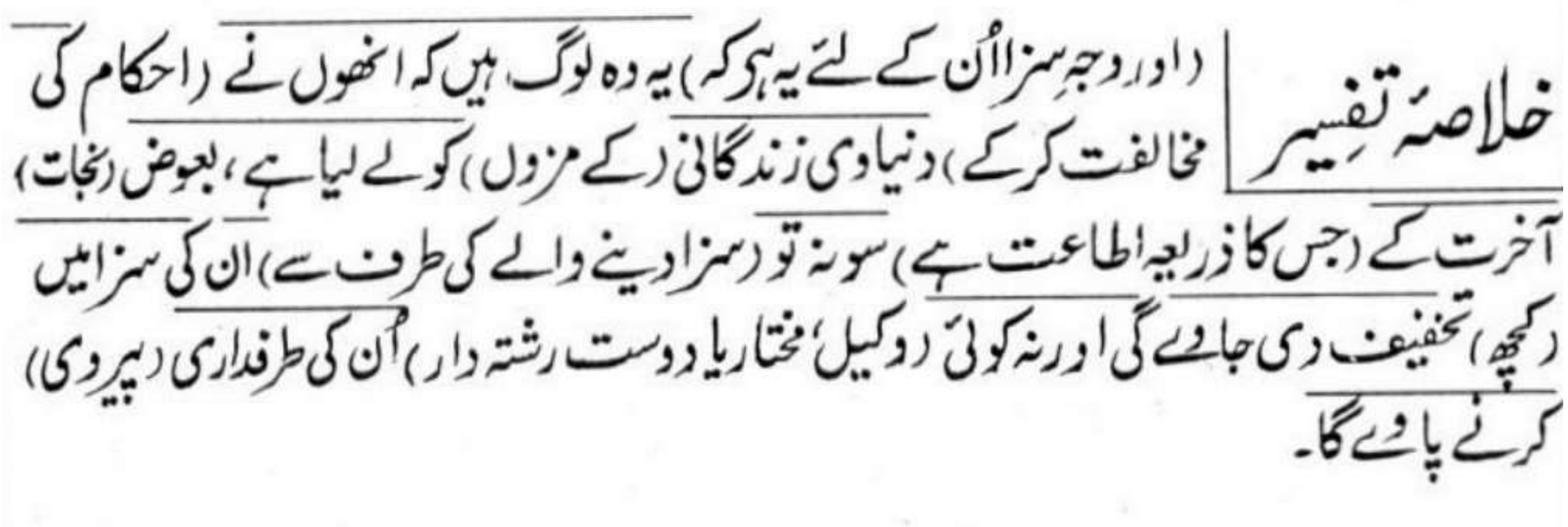

خلاصۂ تفسیر

(اور وجہِ سزا اُن کے لئے یہ ہی کہ) یہ وہ لوگ ہیں کہ انھوں نے (احکام کی مخالفت کرکے) دنیاوی زندگانی (کے مزوں) کو لے لیا ہے، بعوض (نجات آخرت کے (جس کا ذریعہ اطاعت ہے) سو نہ تو (سزا دینے والے کی طرف سے) ان کی سزائیں (کچھ) تخفیف دی جاوے گی اور نہ کوئی (وکیل، مختار یا دوست رشتہ دار) اُن کی طرفداری (پیروی) کرنے پاوے گا۔

ڈاکٹر مفتی عبدالواحدؒ (تفسیر فہم قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

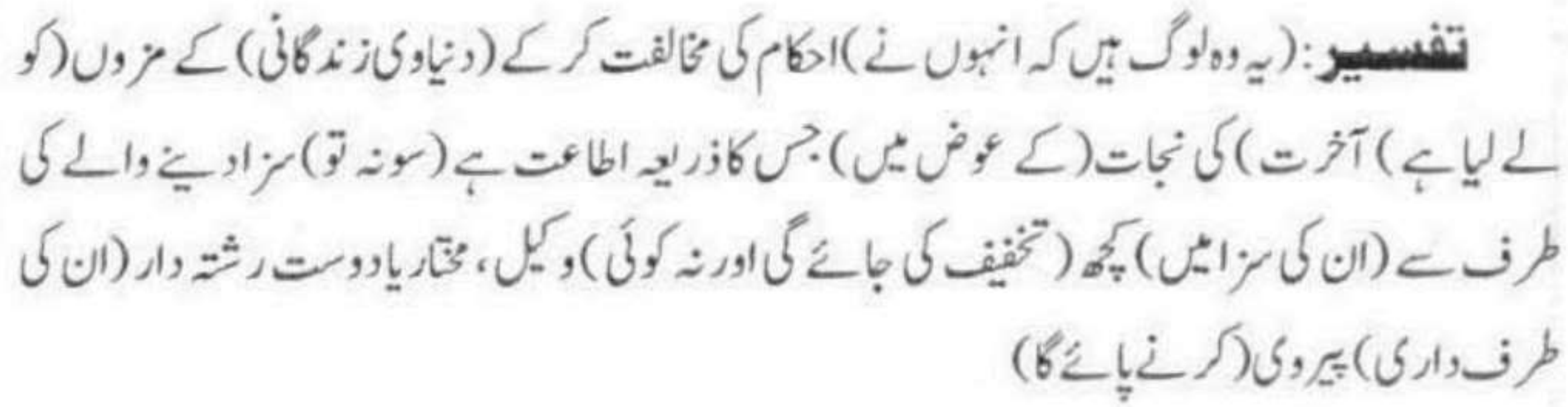

تفسیر: (یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے) احکام کی مخالفت کر کے (دنیاوی زندگانی) کے مزوں (کو لے لیا ہے) آخرت) کی نجات (کے عوض میں) جس کا ذریعہ اطاعت ہے (سو نہ تو) سزا دینے والے کی طرف سے (ان کی سزائیں) کچھ (تخفیف کی جائے گی اور نہ کوئی) وکیل، مختار یا دوست رشتہ دار (ان کی طرف داری) پیروی (کرنے پائے گا)

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَقَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ٘ وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ
مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا
لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْۚ فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ٘ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝٨٧

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ :

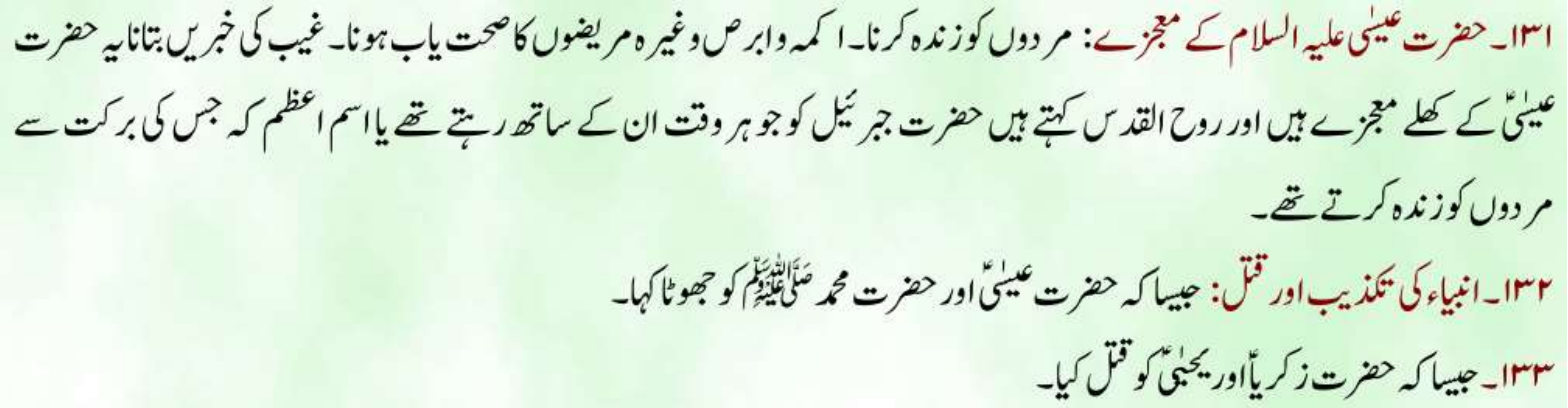

۱۳۱۔ **حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے:** مردوں کو زندہ کرنا۔ اکمہ وابرص وغیرہ مریضوں کا صحت یاب ہونا۔ غیب کی خبریں بتانا یہ حضرت عیسیٰؑ کے کھلے معجزے ہیں اور روح القدس کہتے ہیں حضرت جبرئیل کو جو ہر وقت ان کے ساتھ رہتے تھے یا اسم اعظم کہ جس کی برکت سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

۱۳۲۔ **انبیاء کی تکذیب اور قتل:** جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کو جھوٹا کہا۔

۱۳۳۔ جیسا کہ حضرت زکریاؑ اور یحییٰؑ کو قتل کیا۔

مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

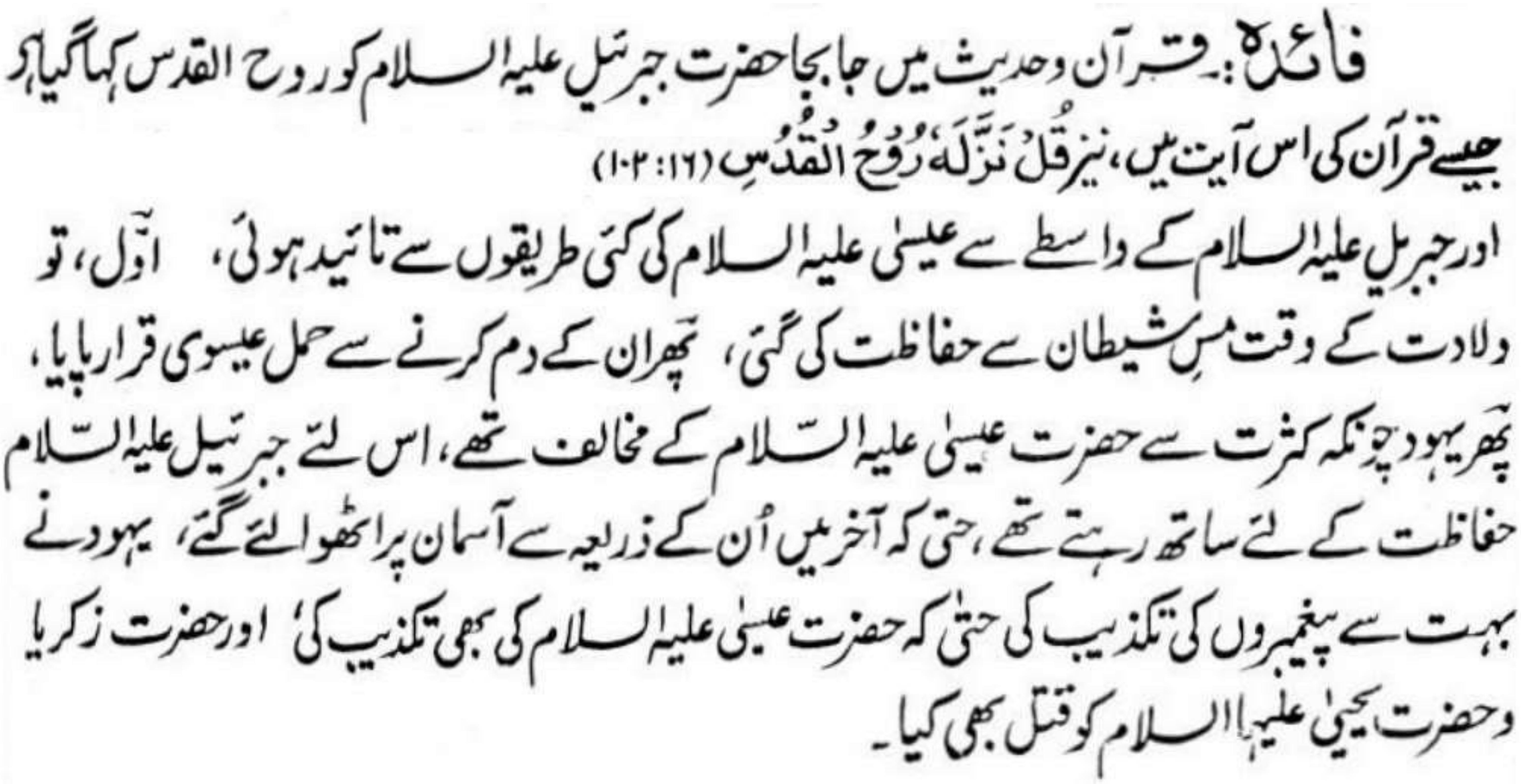

فائدہ: قرآن و حدیث میں جا بجا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو روح القدس کہا گیا ہے
جیسے قرآن کی اس آیت میں، نیز قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ (۱۶: ۱۰۲)
اور جبریل علیہ السلام کے واسطے سے عیسیٰ علیہ السلام کی کئی طریقوں سے تائید ہوئی، اوّل، تو
ولادت کے وقت مسِ شیطان سے حفاظت کی گئی، پھر ان کے دم کرنے سے حمل عیسوی قرار پایا،
پھر یہود چونکہ کثرت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالف تھے، اس لئے جبرئیل علیہ السلام
حفاظت کے لئے ساتھ رہتے تھے، حتی کہ آخر میں اُن کے ذریعہ سے آسمان پر اٹھوا لئے گئے، یہود نے
بہت سے پیغمبروں کی تکذیب کی حتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی تکذیب کی، اور حضرت زکریا
و حضرت یحییٰ علیہما السلام کو قتل بھی کیا۔

مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(۵۹) ”روح القدس“ کے لفظی معنیٰ ہیں: مقدس روح، اور قرآنِ کریم میں یہ لقب حضرت جبرئیل علیہ السلام کے لئے استعمال کیا گیا ہے، (دیکھئے: سورۂ نحل ۱۶: ۱۰۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی یہ تائید حاصل تھی کہ وہ ان کے دُشمنوں سے ان کی حفاظت کے لئے ان کے ساتھ رہتے تھے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (تفسیر مظہری میں) فرماتے ہیں کہ:

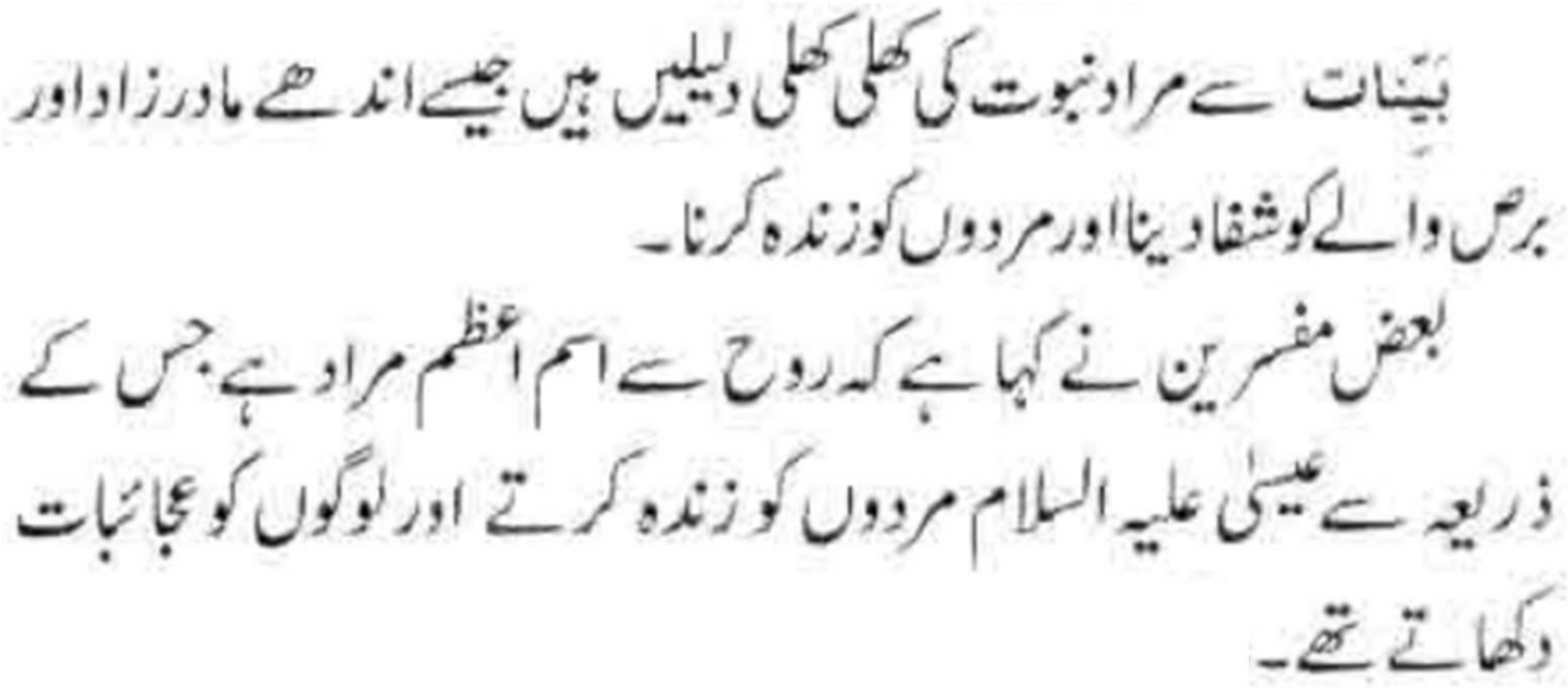

بَیِّنات سے مراد نبوت کی کھلی کھلی دلیلیں ہیں جیسے اندھے مادرزاد اور برص والے کو شفا دینا اور مردوں کو زندہ کرنا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ روح سے اسم اعظم مراد ہے جس کے ذریعہ سے عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے اور لوگوں کو عجائبات دکھاتے تھے۔

احادیث مبارکه

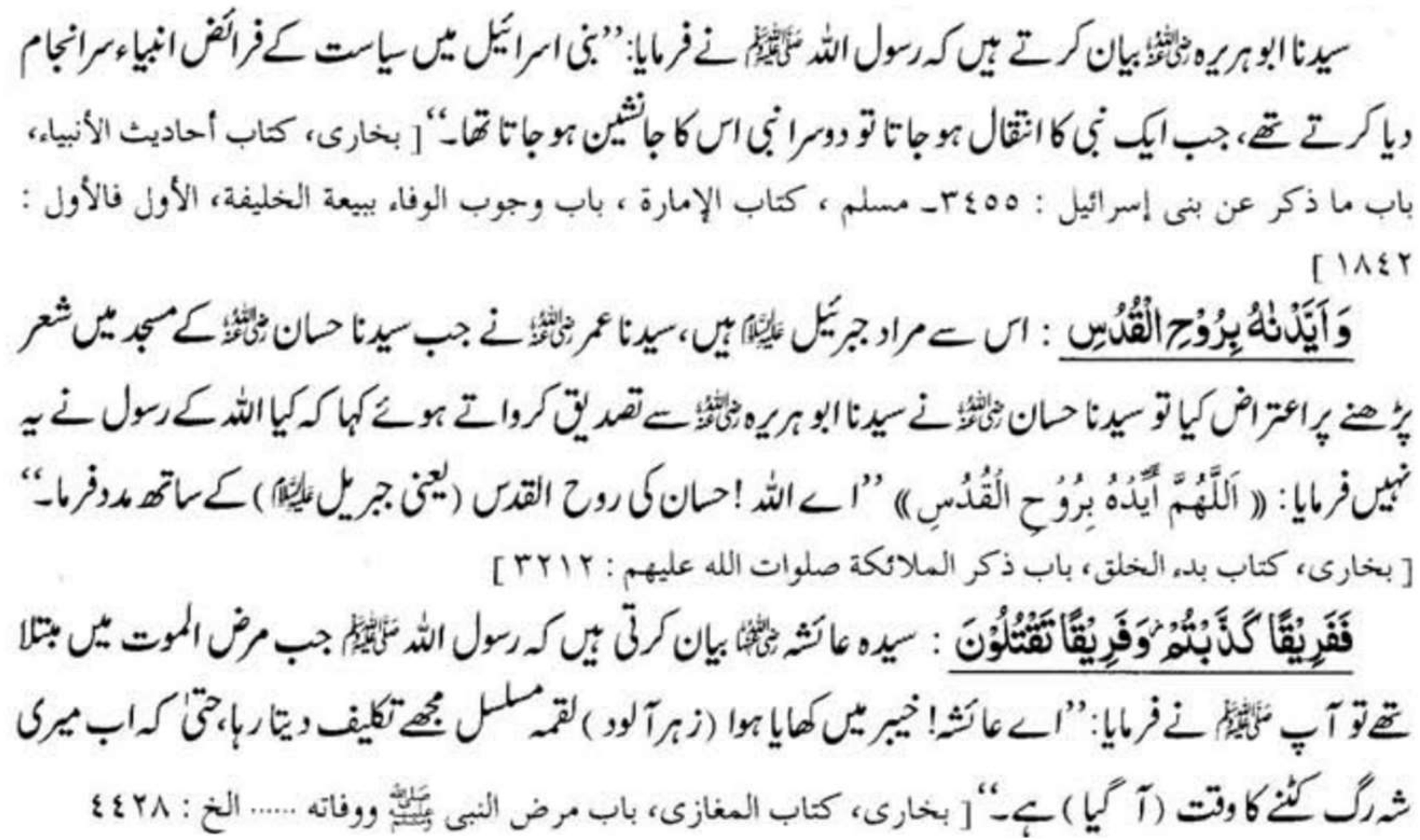

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بنی اسرائیل میں سیاست کے فرائض انبیاء سرانجام دیا کرتے تھے، جب ایک نبی کا انتقال ہو جاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہو جاتا تھا۔“ [بخاری، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بنی إسرائيل : ٣٤٥٥۔ مسلم ، كتاب الإمارة ، باب وجوب الوفاء ببيعة الخليفة، الأول فالأول : ١٨٤٢]

وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ : اس سے مراد جبرئیل ؑ ہیں، سیدنا عمر ؓ نے جب سیدنا حسان ؓ کے مسجد میں شعر پڑھنے پر اعتراض کیا تو سیدنا حسان ؓ نے سیدنا ابو ہریرہ ؓ سے تصدیق کرواتے ہوئے کہا کہ کیا اللہ کے رسول نے یہ نہیں فرمایا: « اَللّٰهُمَّ اَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ » ”اے اللہ! حسان کی روح القدس (یعنی جبریل ؑ) کے ساتھ مدد فرما۔“
[بخاری، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة صلوات الله عليهم : ٣٢١٢]

فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ : سیدہ عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مرض الموت میں مبتلا تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے عائشہ! خیبر میں کھایا ہوا (زہر آلود) لقمہ مسلسل مجھے تکلیف دیتا رہا، حتیٰ کہ اب میری شہ رگ کٹنے کا وقت (آ گیا) ہے۔“ [بخاری، كتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته ...... الخ : ٤٤٢٨]

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

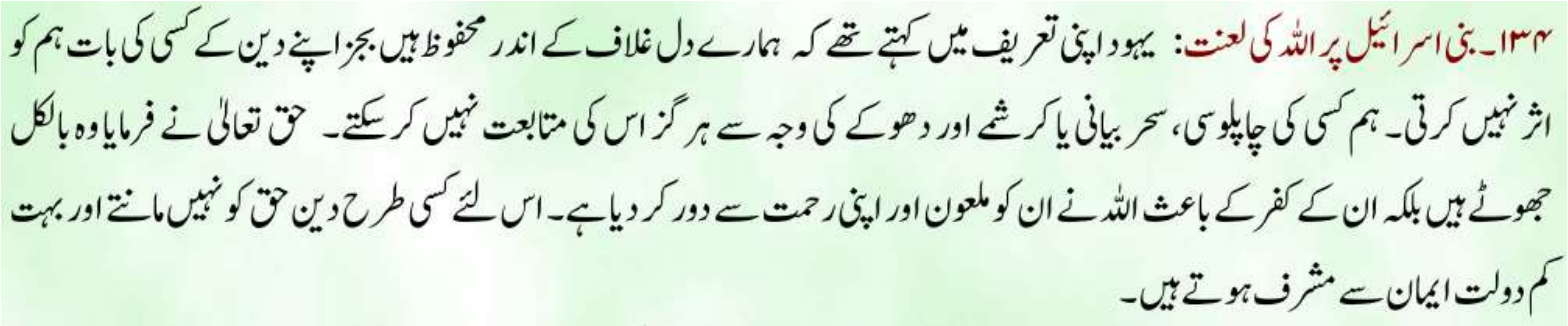

۱۳۴۔ بنی اسرائیل پر اللہ کی لعنت: یہود اپنی تعریف میں کہتے تھے کہ ہمارے دل غلاف کے اندر محفوظ ہیں بجز اپنے دین کے کسی کی بات ہم کو اثر نہیں کرتی۔ ہم کسی کی چاپلوسی، سحر بیانی یا کرشمے اور دھوکے کی وجہ سے ہرگز اس کی متابعت نہیں کر سکتے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا وہ بالکل جھوٹے ہیں بلکہ ان کے کفر کے باعث اللہ نے ان کو ملعون اور اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ اس لئے کسی طرح دین حق کو نہیں مانتے اور بہت کم دولت ایمان سے مشرف ہوتے ہیں۔

مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

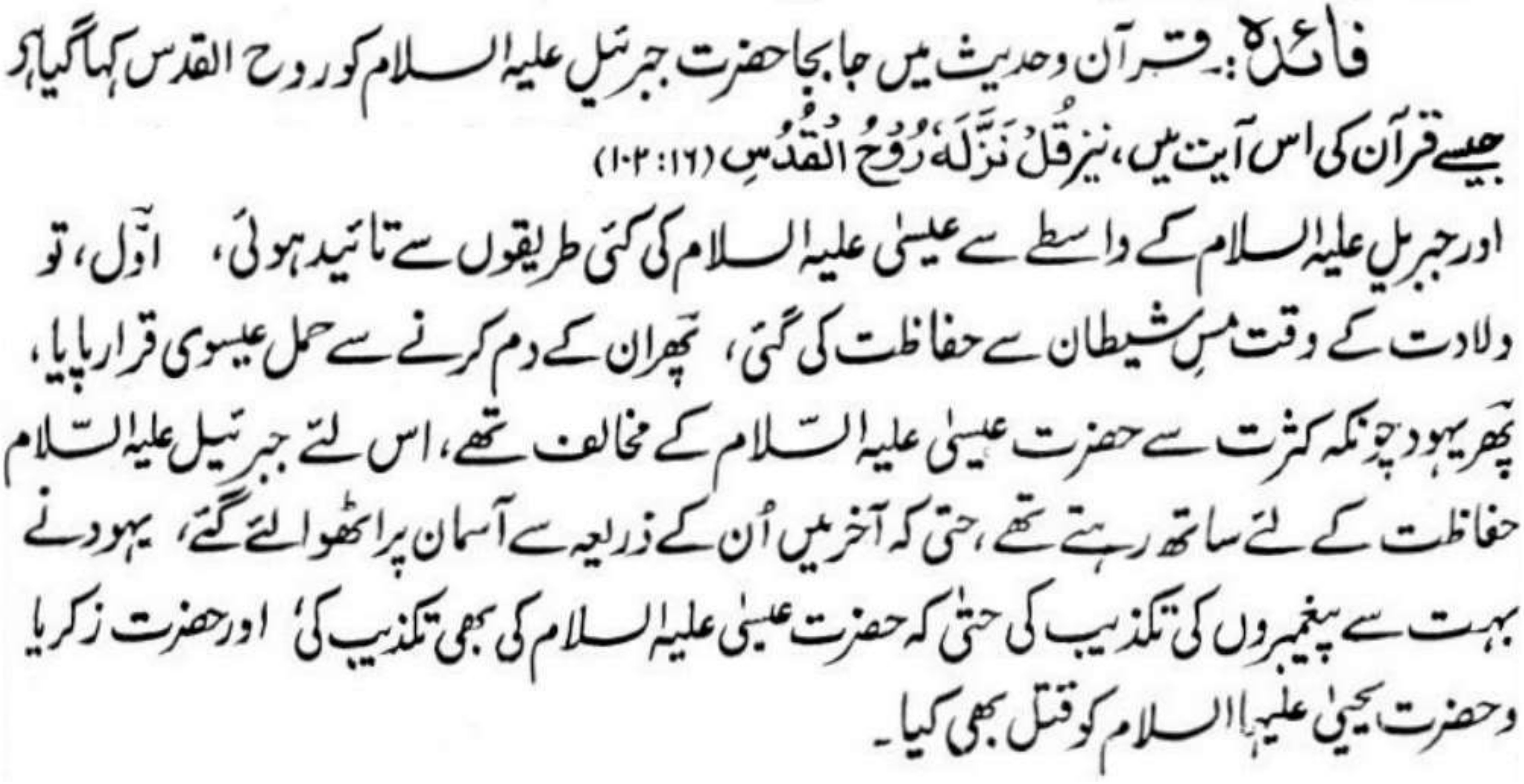

فائدہ: قرآن وحدیث میں جابجا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو روح القدس کہا گیا ہے جیسے قرآن کی اس آیت میں، نیز قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ (۱۶: ۱۰۲)

اور جبریل علیہ السلام کے واسطے سے عیسیٰ علیہ السلام کی کئی طریقوں سے تائید ہوئی، اوّل، تو ولادت کے وقت مسِ شیطان سے حفاظت کی گئی، پھر ان کے دم کرنے سے حمل عیسوی قرار پایا، پھر یہود چونکہ کثرت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالف تھے، اس لئے جبرئیل علیہ السلام حفاظت کے لئے ساتھ رہتے تھے، حتی کہ آخر میں اُن کے ذریعہ سے آسمان پر اٹھوا لئے گئے، یہود نے بہت سے پیغمبروں کی تکذیب کی حتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی تکذیب کی، اور حضرت زکریا وحضرت یحییٰ علیہما السلام کو قتل بھی کیا۔

مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

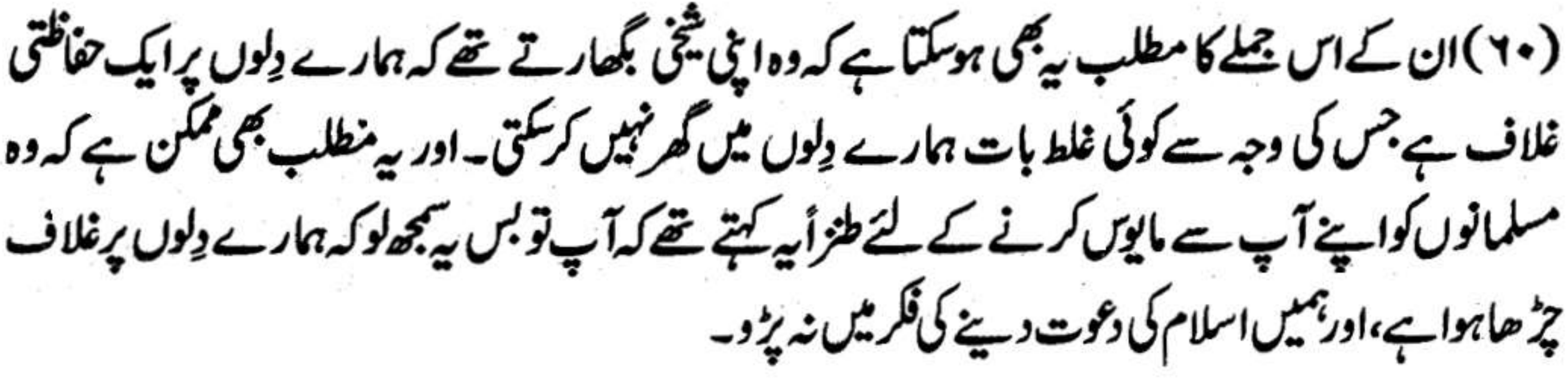

(٦٠) ان کے اس جملے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی شیخی بگھارتے تھے کہ ہمارے دِلوں پر ایک حفاظتی غلاف ہے جس کی وجہ سے کوئی غلط بات ہمارے دِلوں میں گھر نہیں کر سکتی۔ اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ وہ مسلمانوں کو اپنے آپ سے مایوس کرنے کے لئے طنزاً یہ کہتے تھے کہ آپ تو بس یہ سمجھ لو کہ ہمارے دِلوں پر غلاف چڑھا ہوا ہے، اور ہمیں اسلام کی دعوت دینے کی فکر میں نہ پڑو۔

ڈاکٹر مفتی عبدالواحدؒ (تفسیر فہم قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

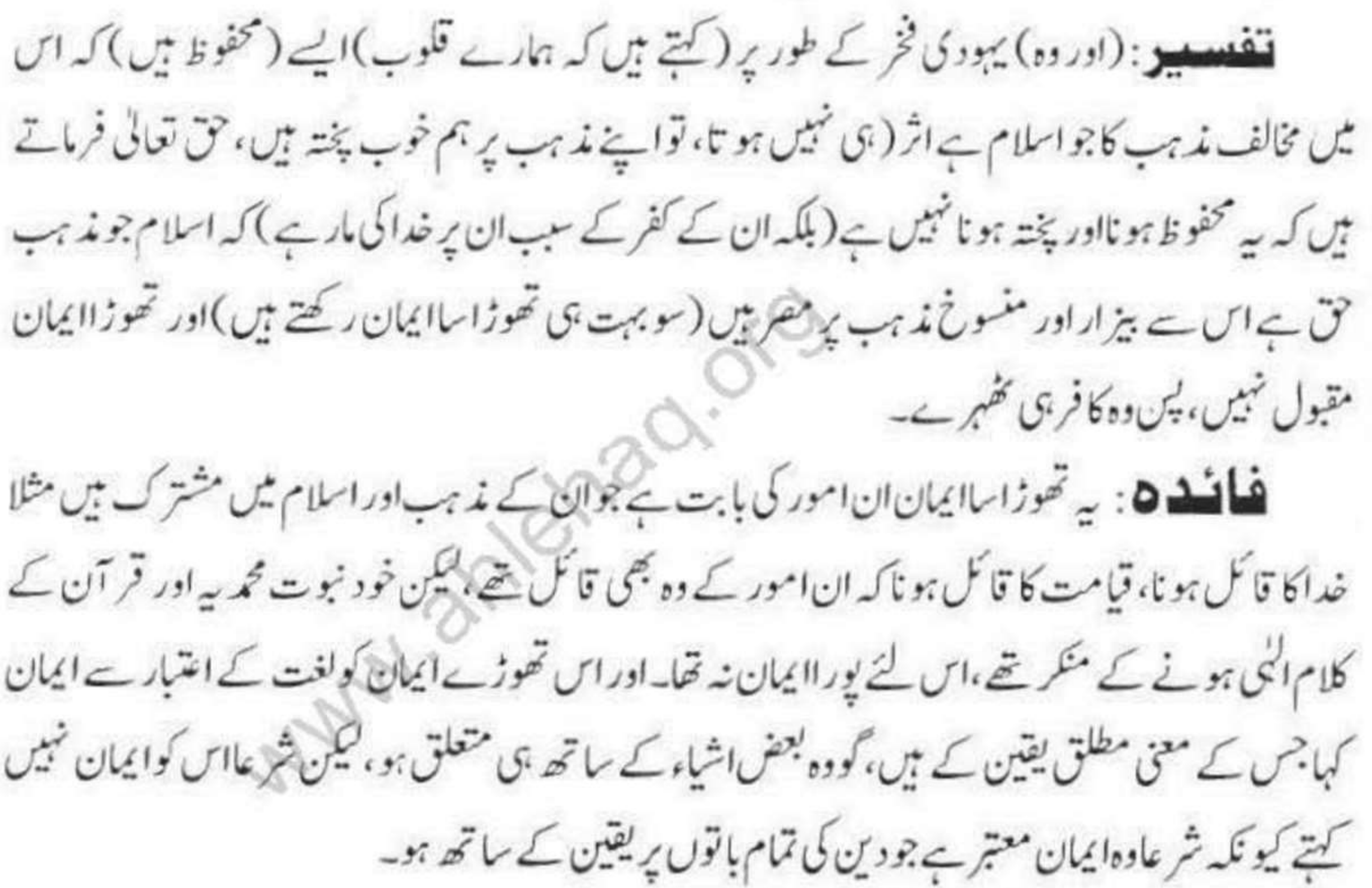

تفسیر: (اور وہ) یہودی فخر کے طور پر (کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب) ایسے (محفوظ ہیں) کہ اس میں مخالف مذہب کا جو اسلام ہے اثر (ہی نہیں ہوتا، تو اپنے مذہب پر ہم خوب پختہ ہیں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ محفوظ ہونا اور پختہ ہونا نہیں ہے (بلکہ ان کے کفر کے سبب ان پر خدا کی مار ہے) کہ اسلام جو مذہب حق ہے اس سے بیزار اور منسوخ مذہب پر مصر ہیں (سو بہت ہی تھوڑا سا ایمان رکھتے ہیں) اور تھوڑا ایمان مقبول نہیں، پس وہ کافر ہی ٹھہرے۔

فائدہ: یہ تھوڑا سا ایمان ان امور کی بابت ہے جو ان کے مذہب اور اسلام میں مشترک ہیں مثلاً خدا کا قائل ہونا، قیامت کا قائل ہونا کہ ان امور کے وہ بھی قائل تھے، لیکن خود نبوت محمدیہ اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے منکر تھے، اس لئے پورا ایمان نہ تھا۔ اور اس تھوڑے ایمان کو لغت کے اعتبار سے ایمان کہا جس کے معنی مطلق یقین کے ہیں، گو وہ بعض اشیاء کے ساتھ ہی متعلق ہو، لیکن شرعاً اس کو ایمان نہیں کہتے کیونکہ شرعاً وہ ایمان معتبر ہے جو دین کی تمام باتوں پر یقین کے ساتھ ہو۔

www.ahlehaq.org

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

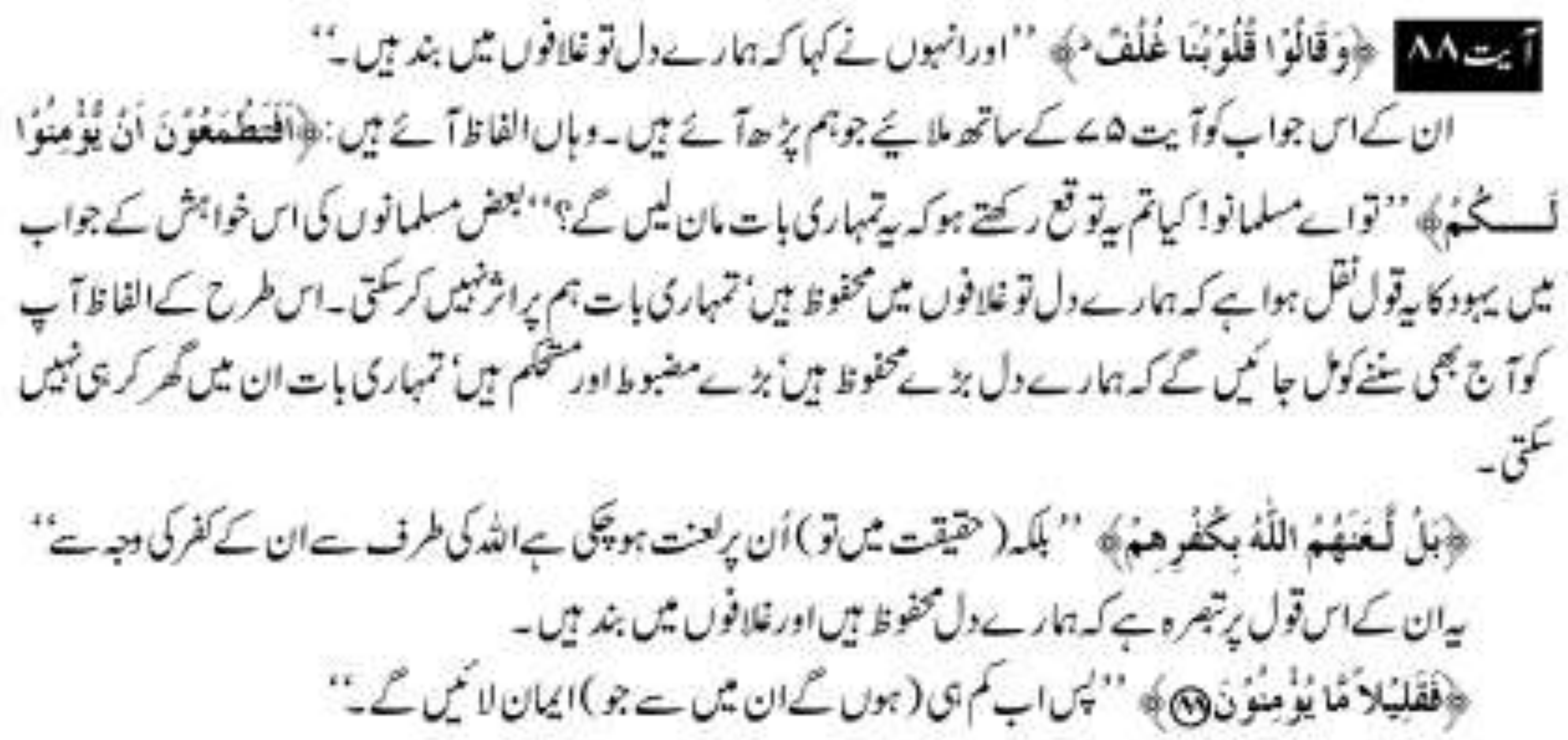

آیت ۸۸ ﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ﴾ ”اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دل تو غلافوں میں بند ہیں۔“

ان کے اس جواب کو آیت ۷۵ کے ساتھ ملایئے جو ہم پڑھ آئے ہیں۔ وہاں الفاظ آئے ہیں: ﴿اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَـكُمْ﴾ ”تو اے مسلمانو! کیا تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ تمہاری بات مان لیں گے؟“ بعض مسلمانوں کی اس خواہش کے جواب میں یہود کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ ہمارے دل تو غلافوں میں محفوظ ہیں، تمہاری بات ہم پر اثر نہیں کر سکتی۔ اس طرح کے الفاظ آپ کو آج بھی سننے کو مل جائیں گے کہ ہمارے دل بڑے محفوظ ہیں، بڑے مضبوط اور مستحکم ہیں، تمہاری بات ان میں گھر کر ہی نہیں سکتی۔

﴿بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ﴾ ”بلکہ (حقیقت میں تو) اُن پر لعنت ہو چکی ہے اللہ کی طرف سے ان کے کفر کی وجہ سے“

یہ ان کے اس قول پر تبصرہ ہے کہ ہمارے دل محفوظ ہیں اور غلافوں میں بند ہیں۔

﴿فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ ۸۸﴾ ”پس اب کم ہی (ہوں گے ان میں سے جو) ایمان لائیں گے۔“

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا
مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۖۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا
كَفَرُوْا بِهٖ ز فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

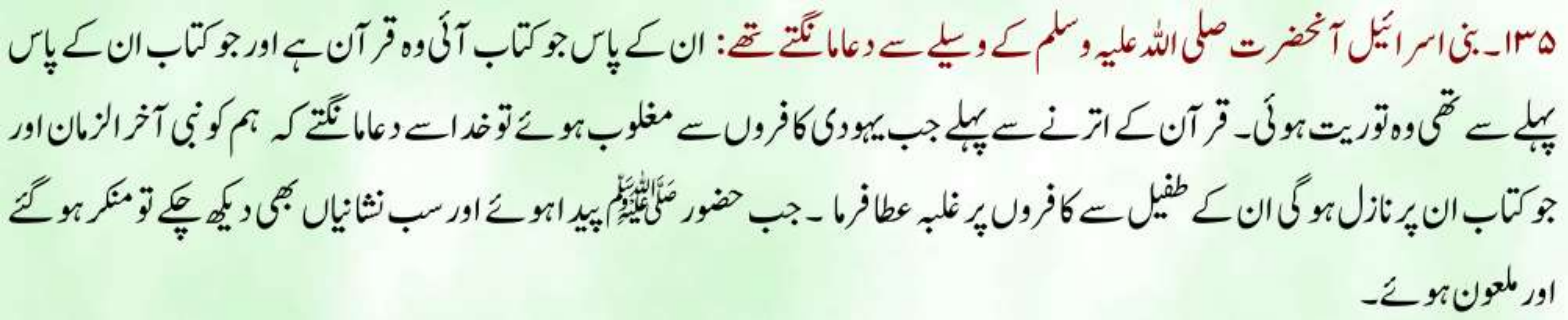

۱۳۵۔ بنی اسرائیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا مانگتے تھے: ان کے پاس جو کتاب آئی وہ قرآن ہے اور جو کتاب ان کے پاس پہلے سے تھی وہ توریت ہوئی۔ قرآن کے اترنے سے پہلے جب یہودی کافروں سے مغلوب ہوئے تو خدا سے دعا مانگتے کہ ہم کو نبی آخر الزمان اور جو کتاب ان پر نازل ہو گی ان کے طفیل سے کافروں پر غلبہ عطا فرما۔ جب حضور ﷺ پیدا ہوئے اور سب نشانیاں بھی دیکھ چکے تو منکر ہو گئے اور ملعون ہوئے۔

مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

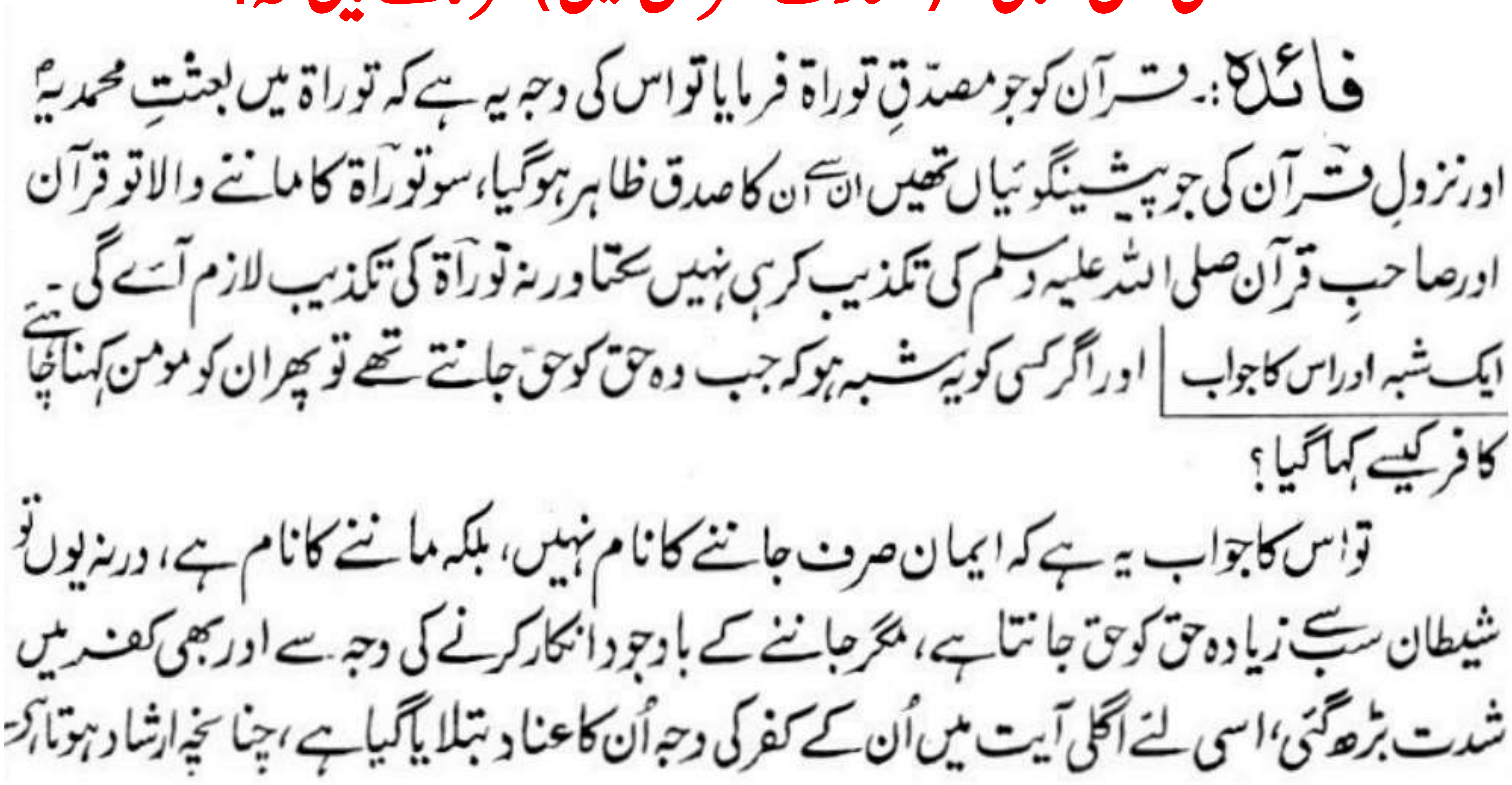

فائدہ:۔ قرآن کو جو مصدقِ توراۃ فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ توراۃ میں بعثتِ محمدیہؐ اور نزولِ قرآن کی جو پیشنگوئیاں تھیں ان سے اُن کا صدق ظاہر ہوگیا، سو توراۃ کا ماننے والا تو قرآن اور صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر ہی نہیں سکتا ورنہ توراۃ کی تکذیب لازم آئے گی۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب وہ حق کو حق جانتے تھے تو پھر ان کو مومن کہنا چاہیے کافر کیسے کہا گیا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان صرف جاننے کا نام نہیں، بلکہ ماننے کا نام ہے، ورنہ یوں تو شیطان سب سے زیادہ حق کو حق جانتا ہے، مگر جاننے کے باوجود انکار کرنے کی وجہ سے اور بھی کفر میں شدت بڑھ گئی، اسی لئے اگلی آیت میں اُن کے کفر کی وجہ اُن کا عناد بتلایا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(٦١) جب یہودیوں کی بت پرستوں سے جنگ ہوتی یا بحث ومباحثہ ہوتا تو وہ یہ دُعائیں مانگا کرتے تھے کہ یا اللہ! آپ نے تورات میں جس آخری نبی کی خبر دی ہے اسے جلدی بھیج دیجئے تاکہ ہم ان کے ساتھ مل کر بت پرستوں پر فتح حاصل کریں۔ مگر جب وہ نبی (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لے آئے تو وہ اس حسد میں مبتلا ہوگئے کہ انہیں بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل میں کیوں بھیجا گیا؟ چنانچہ یہ جان لینے کے باوجود کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ ساری علامتیں صادق آتی ہیں جو تورات میں نبی آخرالزمان کی بیان کی گئی ہیں انہوں نے آپ کو ماننے سے انکار کر دیا۔

مولانا ادریس کاندھلویؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

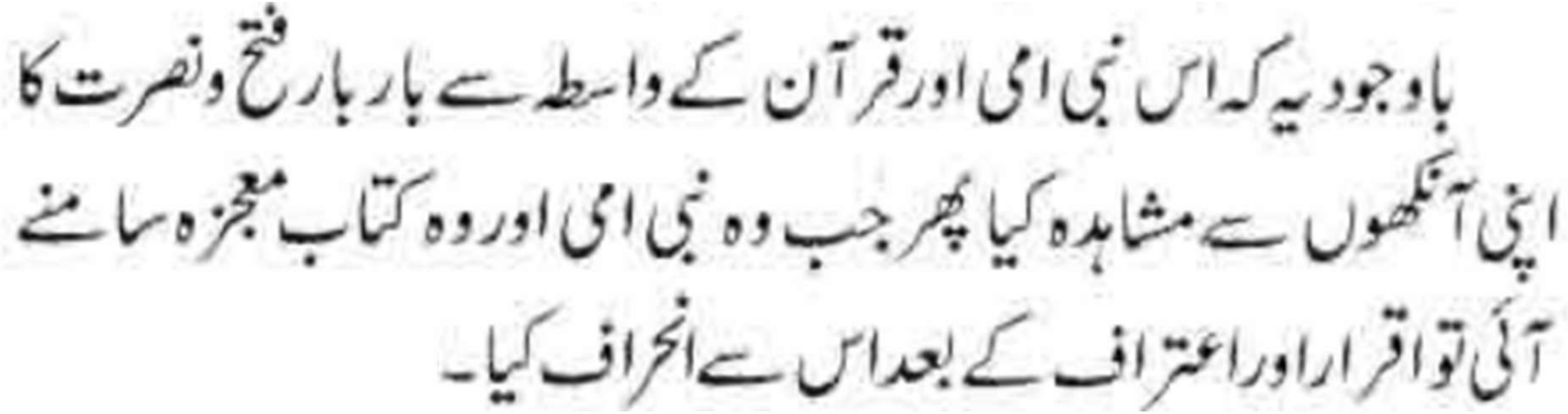

باوجود یہ کہ اس نبی امی اور قرآن کے واسطہ سے بار بار فتح ونصرت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا پھر جب وہ نبی امی اور وہ کتاب معجزہ سامنے آئی تو اقرار اور اعتراف کے بعد اس سے انحراف کیا۔

مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنیؒ (گلدستہ تفسیر میں) فرماتے ہیں کہ:

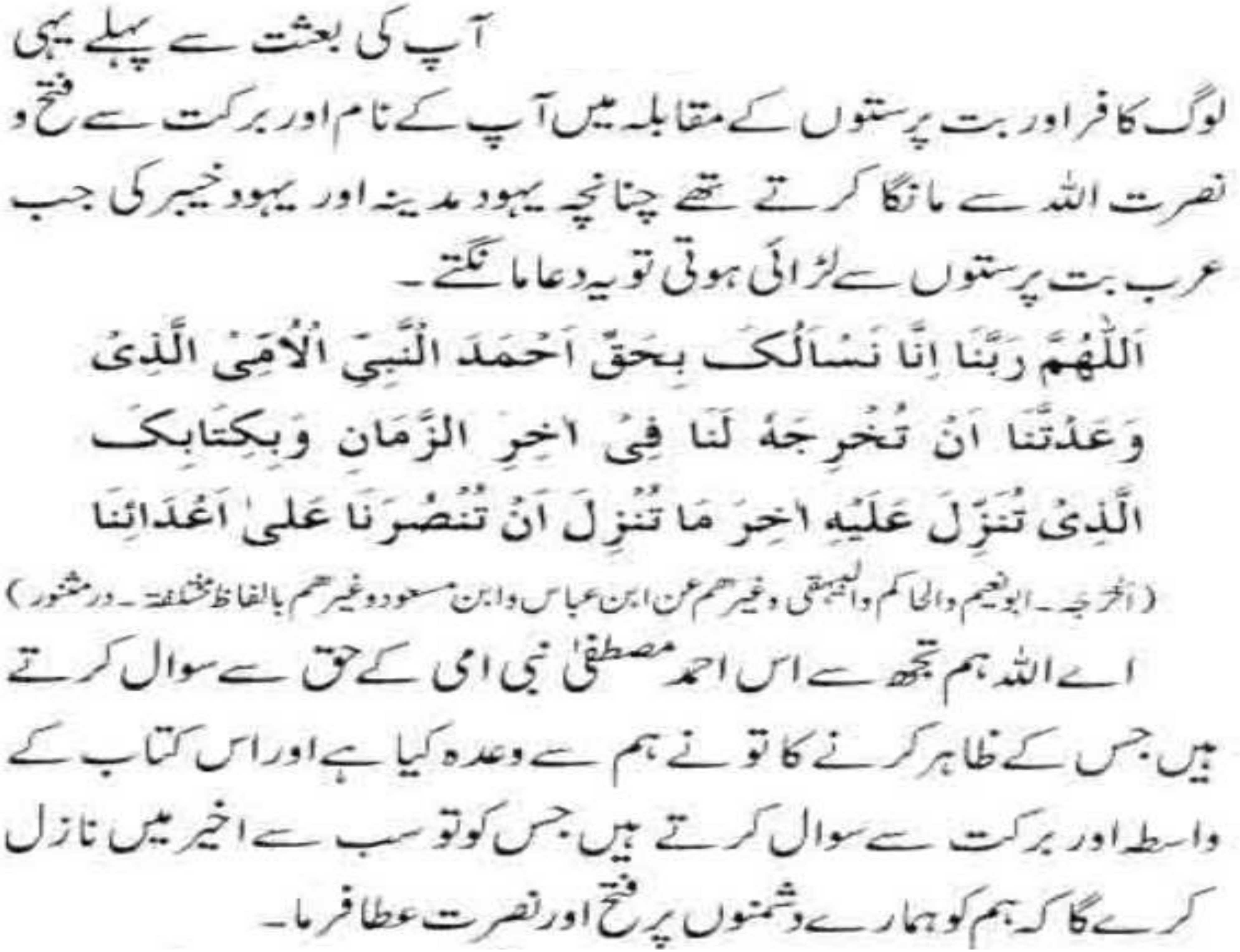

آپ کی بعثت سے پہلے یہی
لوگ کافر اور بت پرستوں کے مقابلہ میں آپ کے نام اور برکت سے فتح و
نصرت اللہ سے مانگا کرتے تھے چنانچہ یہود مدینہ اور یہود خیبر کی جب
عرب بت پرستوں سے لڑائی ہوتی تو یہ دعا مانگتے۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اِنَّا نَسْاَلُکَ بِحَقِّ اَحْمَدَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ
وَعَدْتَّنَا اَنْ تُخْرِجَهٗ لَنَا فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ وَبِکِتَابِکَ
الَّذِیْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِ اٰخِرَ مَا تُنْزِلَ اَنْ تَنْصُرَنَا عَلٰی اَعْدَائِنَا

(اخرجہ۔ ابونعیم والحاکم والبیہقی وغیرھم عن ابن عباس وابن مسعود وغیرھم بالفاظ مختلفۃ۔ درمنثور)

اے اللہ ہم تجھ سے اس احمد مصطفیٰ نبی امی کے حق سے سوال کرتے
ہیں جس کے ظاہر کرنے کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور اس کتاب کے
واسطہ اور برکت سے سوال کرتے ہیں جس کو تو سب سے اخیر میں نازل
کرے گا کہ ہم کو ہمارے دشمنوں پر فتح اور نصرت عطا فرما۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا
اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ
بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝٩٠

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

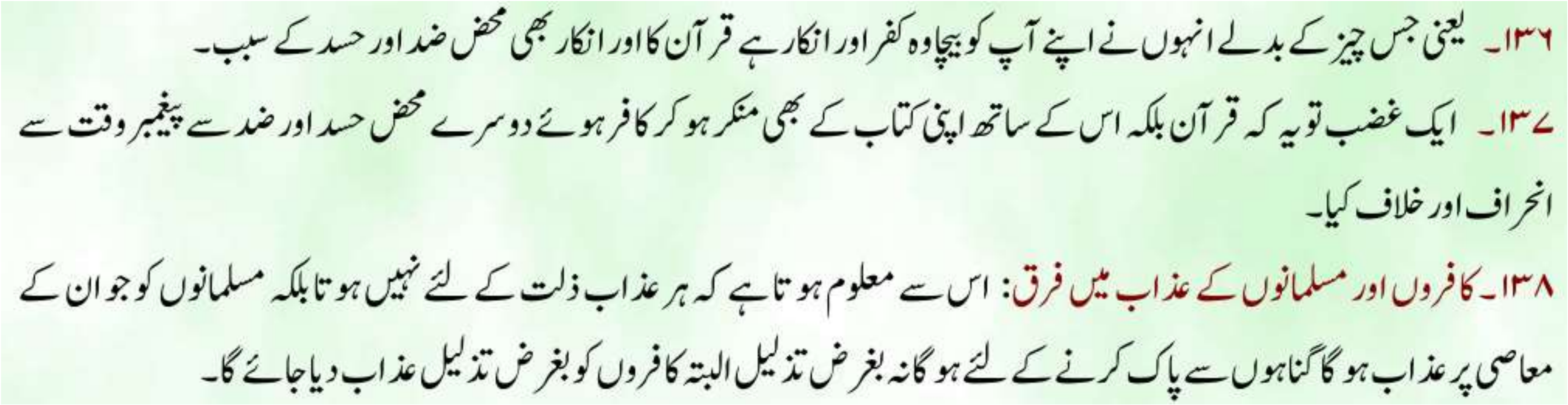

۱۳۶۔ یعنی جس چیز کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا وہ کفر اور انکار ہے قرآن کا اور انکار بھی محض ضد اور حسد کے سبب۔

۱۳۷۔ ایک غضب تو یہ کہ قرآن بلکہ اس کے ساتھ اپنی کتاب کے بھی منکر ہو کر کافر ہوئے دوسرے محض حسد اور ضد سے پیغمبر وقت سے انحراف اور خلاف کیا۔

۱۳۸۔ **کافروں اور مسلمانوں کے عذاب میں فرق:** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عذاب ذلت کے لئے نہیں ہوتا بلکہ مسلمانوں کو جو ان کے معاصی پر عذاب ہو گا گناہوں سے پاک کرنے کے لئے ہو گا نہ بغرض تذلیل البتہ کافروں کو بغرض تذلیل عذاب دیا جائے گا۔

مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

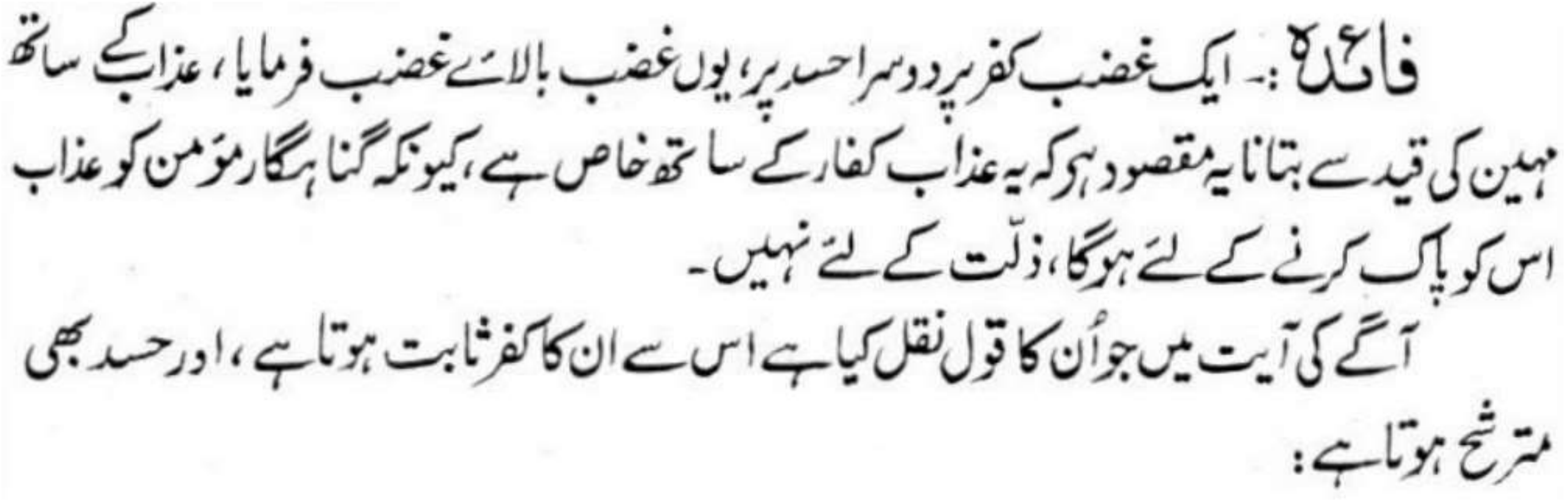

فائدہ:۔ ایک غضب کفر پر دوسرا حسد پر، یوں غضب بالائے غضب فرمایا، عذاب کے ساتھ مہین کی قید سے بتانا یہ مقصود ہو کہ یہ عذاب کفار کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ گناہگار مؤمن کو عذاب اس کو پاک کرنے کے لئے ہوگا، ذلّت کے لئے نہیں۔

آگے کی آیت میں جو اُن کا قول نقل کیا ہے اس سے ان کا کفر ثابت ہوتا ہے، اور حسد بھی مترشح ہوتا ہے:

مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(۶۲) یعنی ایک غضب کے مستحق تو وہ اپنے کفر کی وجہ سے تھے، دوسرا غضب ان پر حسد اور ضد کی وجہ سے ہوا۔

مولانا ادریس کاندھلویؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

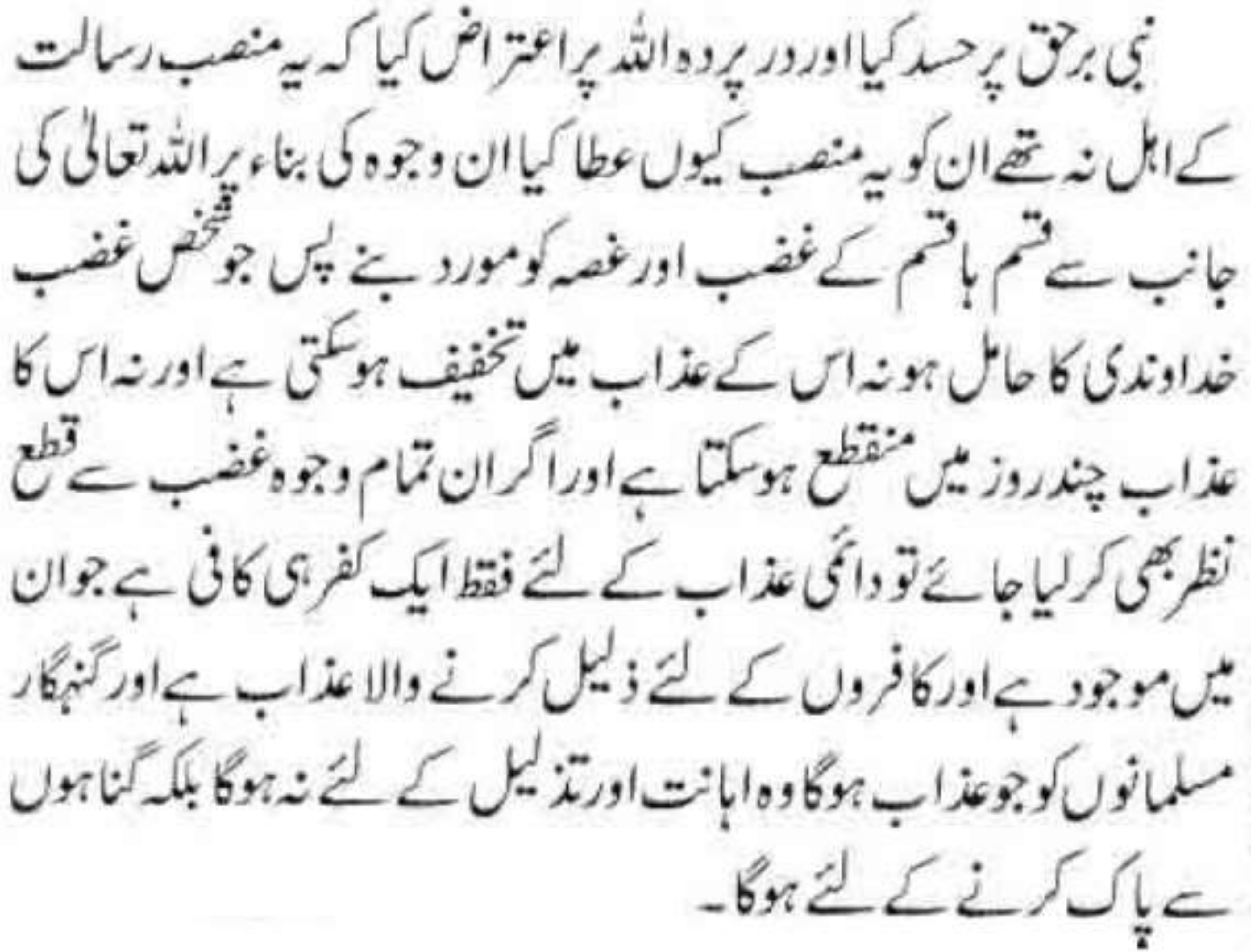

نبی برحق پر حسد کیا اور درپردہ اللہ پر اعتراض کیا کہ یہ منصب رسالت کے اہل نہ تھے ان کو یہ منصب کیوں عطا کیا ان وجوہ کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے قسم ہا قسم کے غضب اور غصہ کو مورد بنے پس جو شخص غضب خداوندی کا حامل ہو نہ اس کے عذاب میں تخفیف ہو سکتی ہے اور نہ اس کا عذاب چند روز میں منقطع ہو سکتا ہے اور اگر ان تمام وجوہ غضب سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو دائمی عذاب کے لئے فقط ایک کفر ہی کافی ہے جو ان میں موجود ہے اور کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے اور گنہگار مسلمانوں کو جو عذاب ہوگا وہ اہانت اور تذلیل کے لئے نہ ہوگا بلکہ گناہوں سے پاک کرنے کے لئے ہوگا۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

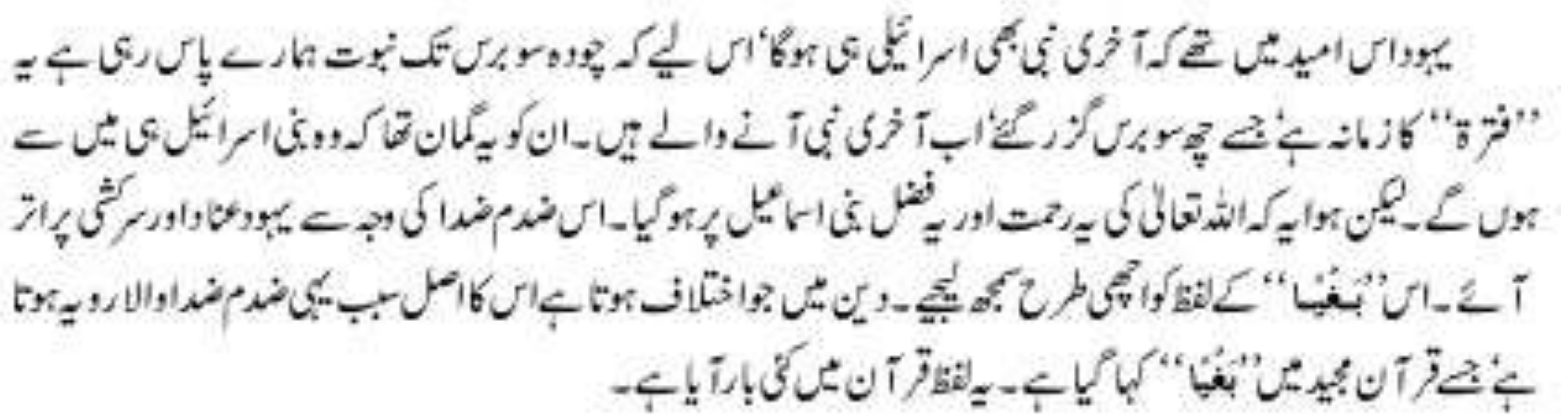

یہود اس امید میں تھے کہ آخری نبی بھی اسرائیلی ہی ہوگا‘ اس لیے کہ چودہ سو برس تک نبوت ہمارے پاس رہی ہے یہ ’’فترۃ‘‘ کا زمانہ ہے‘ جسے چھ سو برس گزر گئے‘ اب آخری نبی آنے والے ہیں۔ ان کو یہ گمان تھا کہ وہ بنی اسرائیل ہی میں سے ہوں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت اور یہ فضل بنی اسماعیل پر ہوگیا۔ اس ضدم ضدا کی وجہ سے یہود عناد اور سرکشی پر اتر آئے۔ اس ’’بَغۡیًا‘‘ کے لفظ کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ دین میں جو اختلاف ہوتا ہے اس کا اصل سبب یہی ضدم ضدا والا رویہ ہوتا ہے‘ جسے قرآن مجید میں ’’بَغۡیًا‘‘ کہا گیا ہے۔ یہ لفظ قرآن میں کئی بار آیا ہے۔

جاری ہے

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

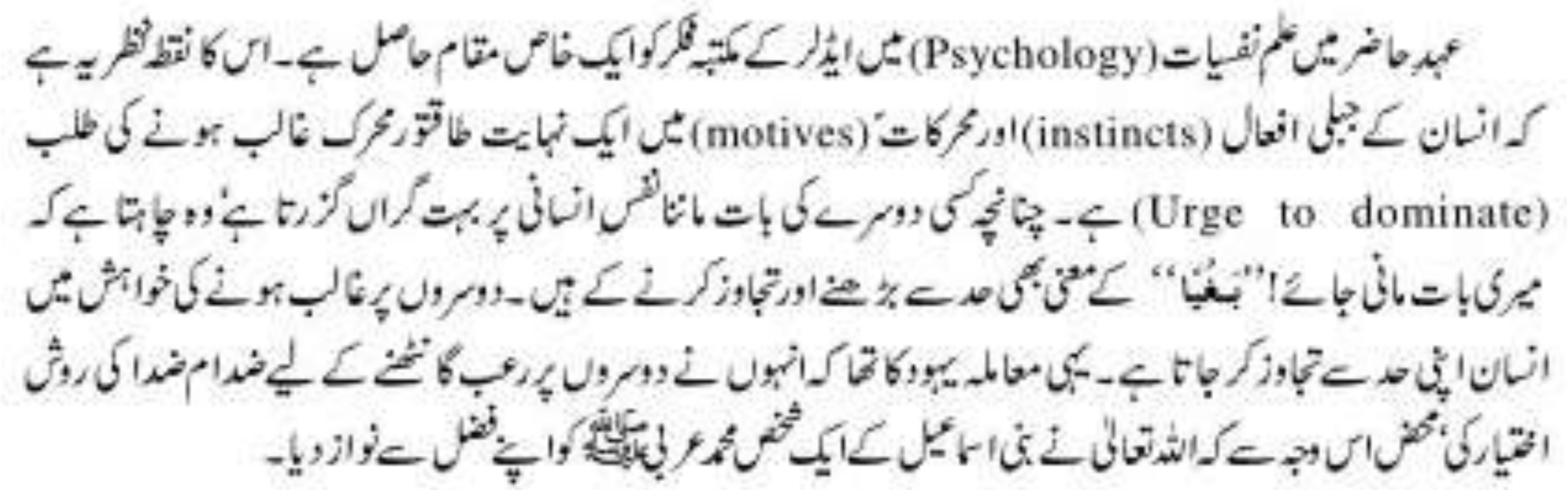

عہدِ حاضر میں علمِ نفسیات (Psychology) میں ایڈلر کے مکتبہ فکر کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس کا نقطہ نظر یہ ہے کہ انسان کے جبلی افعال (instincts) اور محرکات (motives) میں ایک نہایت طاقتور محرک غالب ہونے کی طلب (Urge to dominate) ہے۔ چنانچہ کسی دوسرے کی بات ماننا نفسِ انسانی پر بہت گراں گزرتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ میری بات مانی جائے! ''بَغْیًا'' کے معنی بھی حد سے بڑھنے اور تجاوز کرنے کے ہیں۔ دوسروں پر غالب ہونے کی خواہش میں انسان اپنی حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔ یہی معاملہ یہود کا تھا کہ انہوں نے دوسروں پر رعب گانٹھنے کے لیے ضدام ضدا کی روش اختیار کی، محض اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کے ایک شخص محمد عربی ﷺ کو اپنے فضل سے نواز دیا۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡنَا

وَ یَکۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَہٗ ۗ وَ ہُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَہُمۡ ؕ قُلۡ فَلِمَ

تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِیَآءَ اللّٰہِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۹۱﴾

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

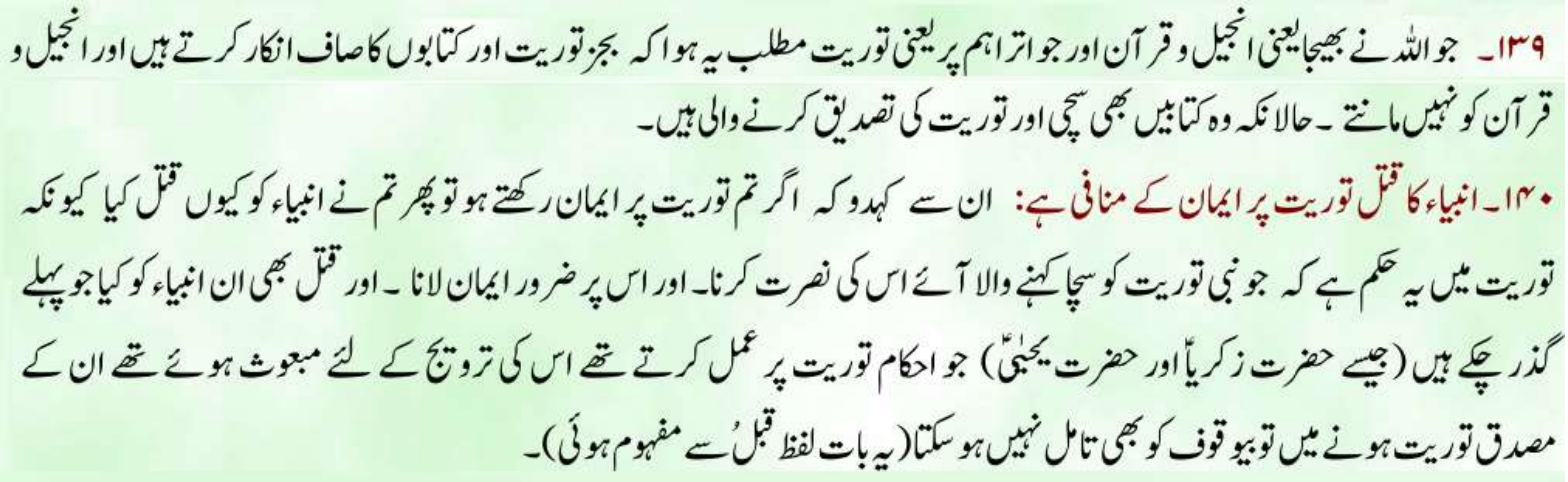

۱۳۹۔ جو اللہ نے بھیجا یعنی انجیل و قرآن اور جو اترا ہم پر یعنی توریت مطلب یہ ہوا کہ بجز توریت اور کتابوں کا صاف انکار کرتے ہیں اور انجیل و قرآن کو نہیں مانتے۔ حالانکہ وہ کتابیں بھی سچی اور توریت کی تصدیق کرنے والی ہیں۔

۱۴۰۔ انبیاء کا قتل توریت پر ایمان کے منافی ہے: ان سے کہدو کہ اگر تم توریت پر ایمان رکھتے ہو تو پھر تم نے انبیاء کو کیوں قتل کیا کیونکہ توریت میں یہ حکم ہے کہ جو نبی توریت کو سچا کہنے والا آئے اس کی نصرت کرنا۔ اور اس پر ضرور ایمان لانا۔ اور قتل بھی ان انبیاء کو کیا جو پہلے گذر چکے ہیں (جیسے حضرت زکریاؑ اور حضرت یحیٰیؑ) جو احکام توریت پر عمل کرتے تھے اس کی ترویج کے لئے مبعوث ہوئے تھے ان کے مصدق توریت ہونے میں تو بیوقوف کو بھی تامل نہیں ہو سکتا (یہ بات لفظ قبلُ سے مفہوم ہوئی)۔

مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

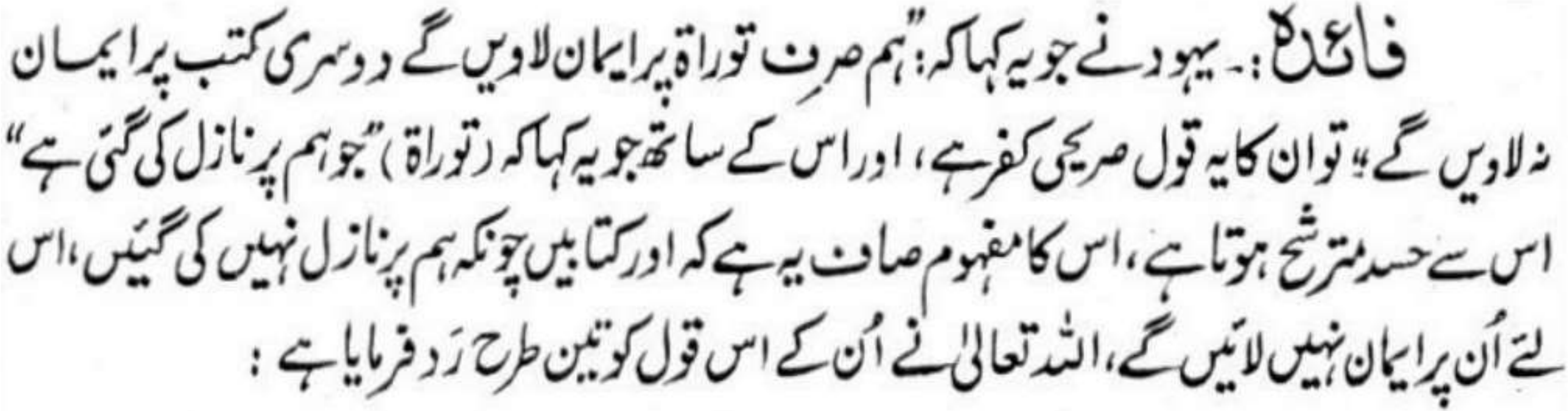

فائدہ:۔ یہود نے جو یہ کہا کہ: "ہم صرف توراۃ پر ایمان لاویں گے دوسری کتب پر ایمان نہ لاویں گے" تو ان کا یہ قول صریح کفر ہے، اور اس کے ساتھ جو یہ کہا کہ (توراۃ) "جو ہم پر نازل کی گئی ہے" اس سے حسد مترشح ہوتا ہے، اس کا مفہوم صاف یہ ہے کہ اور کتابیں چونکہ ہم پر نازل نہیں کی گئیں، اس لئے اُن پر ایمان نہیں لائیں گے، اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس قول کو تین طرح رَد فرمایا ہے:

جاری ہے

اوّل یہ کہ جب اور کتابوں کی حقیّت اور واقعیت بھی دلیل قطعی سے ثابت ہے تو پھر اس انکار کی کیا وجہ ہے ؟ ہاں اگر اس دلیل میں کوئی کلام تھا تو اس کو پیش کر کے تشفی کر لیتے، انکار محض کی آخر کیا وجہ ؟

دوسرے اور کتابیں مثلاً قرآن مجید جو توراۃ کا مصدّق ہے تو اس کے انکار سے تو خود توراۃ کی تکذیب وانکار لازم آتا ہے۔

تیسرے یہ کہ انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنا تمام آسمانی کتابوں کی رُو سے کفر ہے، پھر تمہارے گروہ کے لوگوں نے جو کئی نبیوں کو قتل کیا، جن کی تعلیم بھی توراۃ ہی کے احکام کے ساتھ خاص تھی، اور تم ان قاتلین کو اپنا پیشوا اور مقتدا سمجھتے ہو، تو براہِ راست توراۃ کے ساتھ کفر کرتے ہو، اس سے تو تمہارا تورات پر ایمان کا دعویٰ بھی غلط ٹھہرتا ہے، غرض کسی بھی پہلو سے تمہارا قول وفعل صحیح اور درست نہیں۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

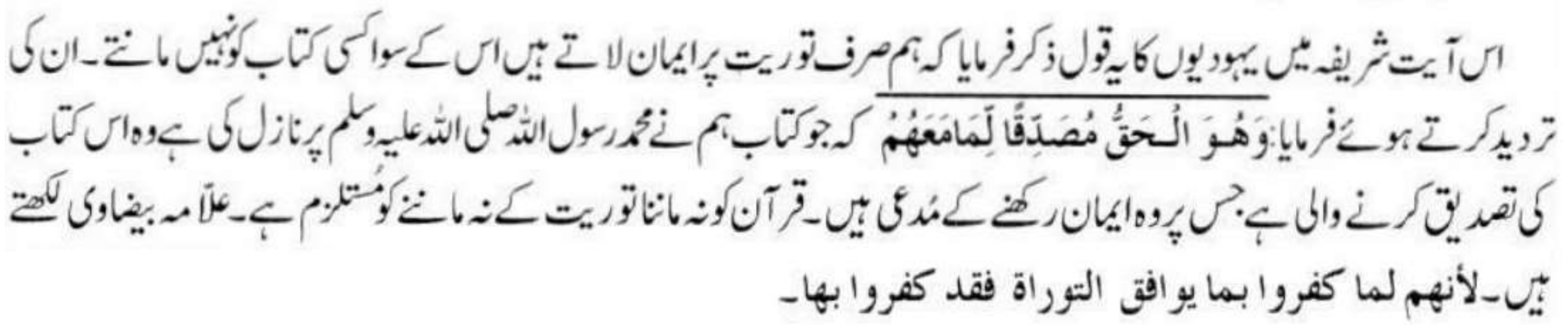

اس آیت شریفہ میں یہودیوں کا یہ قول ذکر فرمایا کہ ہم صرف توریت پر ایمان لاتے ہیں اس کے سوا کسی کتاب کو نہیں مانتے۔ ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ کہ جو کتاب ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہے وہ اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جس پر وہ ایمان رکھنے کے مُدعی ہیں۔ قرآن کو نہ ماننا توریت کے نہ ماننے کو مُستلزم ہے۔ علاّمہ بیضاوی لکھتے ہیں۔ لأنهم لما كفروا بما يوافق التوراة فقد كفروا بها۔

جاری ہے

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

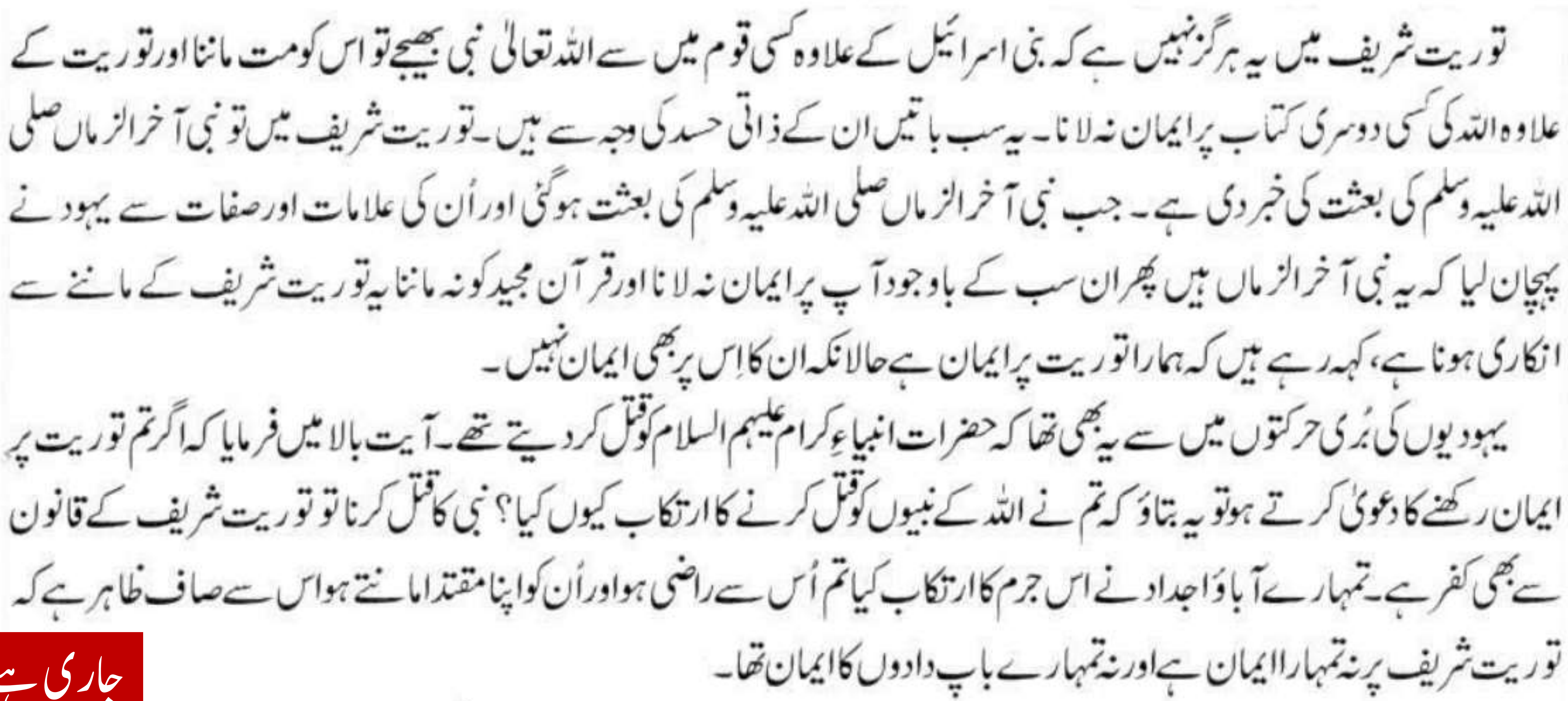

توریت شریف میں یہ ہرگز نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کے علاوہ کسی قوم میں سے اللہ تعالیٰ نبی بھیجے تو اس کو مت ماننا اور توریت کے علاوہ اللہ کی کسی دوسری کتاب پر ایمان نہ لانا۔ یہ سب باتیں ان کے ذاتی حسد کی وجہ سے ہیں۔ توریت شریف میں تو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر دی ہے۔ جب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوگئی اور اُن کی علامات اور صفات سے یہود نے پہچان لیا کہ یہ نبی آخر الزماں ہیں پھر ان سب کے باوجود آپ پر ایمان نہ لانا اور قرآن مجید کو نہ ماننا یہ توریت شریف کے ماننے سے انکاری ہونا ہے، کہہ رہے ہیں کہ ہمارا توریت پر ایمان ہے حالانکہ ان کا اِس پر بھی ایمان نہیں۔

یہودیوں کی بُری حرکتوں میں سے یہ بھی تھا کہ حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام کو قتل کر دیتے تھے۔ آیت بالا میں فرمایا کہ اگر تم توریت پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہو تو یہ بتاؤ کہ تم نے اللہ کے نبیوں کو قتل کرنے کا ارتکاب کیوں کیا؟ نبی کا قتل کرنا تو توریت شریف کے قانون سے بھی کفر ہے۔ تمہارے آباؤ اجداد نے اس جرم کا ارتکاب کیا تم اُس سے راضی ہو اور اُن کو اپنا مقتدا مانتے ہو اس سے صاف ظاہر ہے کہ توریت شریف پر نہ تمہارا ایمان ہے اور نہ تمہارے باپ دادوں کا ایمان تھا۔

جاری ہے

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

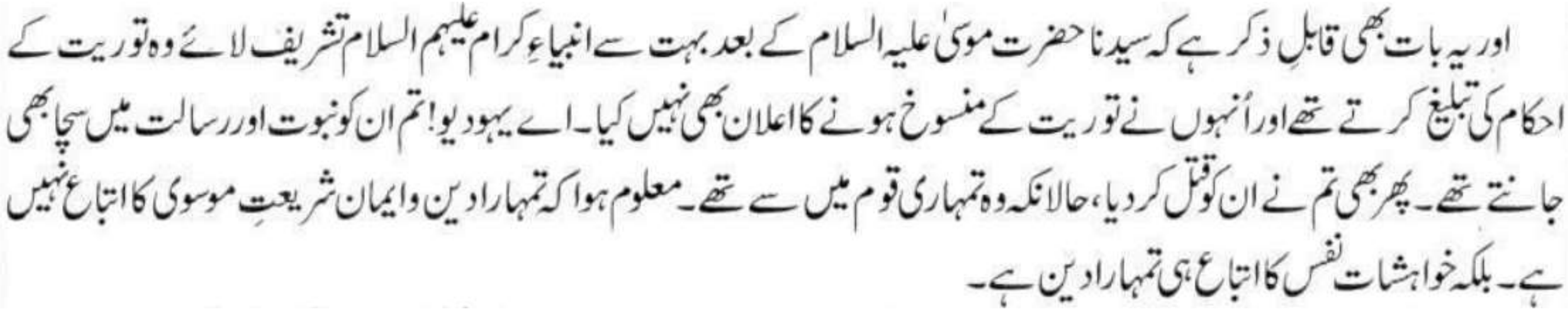

اور یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سے انبیاءِ کرام علیہم السلام تشریف لائے وہ توریت کے احکام کی تبلیغ کرتے تھے اور اُنہوں نے توریت کے منسوخ ہونے کا اعلان بھی نہیں کیا۔ اے یہودیو! تم ان کو نبوت اور رسالت میں سچا بھی جانتے تھے۔ پھر بھی تم نے ان کو قتل کردیا، حالانکہ وہ تمہاری قوم میں سے تھے۔ معلوم ہوا کہ تمہارا دین وایمان شریعتِ موسوی کا اتباع نہیں ہے۔ بلکہ خواہشات نفس کا اتباع ہی تمہارا دین ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

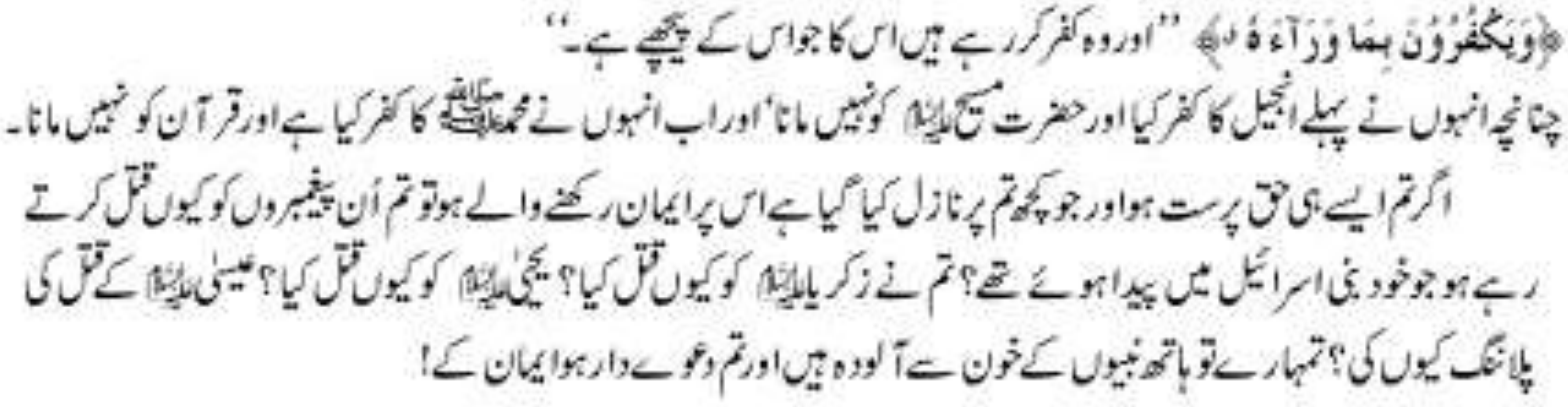

﴿وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۚ﴾ ”اور وہ کفر کر رہے ہیں اس کا جو اس کے پیچھے ہے۔“

چنانچہ انہوں نے پہلے انجیل کا کفر کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو نہیں مانا' اور اب انہوں نے محمد ﷺ کا کفر کیا ہے اور قرآن کو نہیں مانا۔

اگر تم ایسے ہی حق پرست ہو اور جو کچھ تم پر نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان رکھنے والے ہو تو تم اُن پیغمبروں کو کیوں قتل کرتے رہے ہو جو خود بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے تھے؟ تم نے زکریا علیہ السلام کو کیوں قتل کیا؟ یحییٰ علیہ السلام کو کیوں قتل کیا؟ عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی پلاننگ کیوں کی؟ تمہارے تو ہاتھ نبیوں کے خون سے آلودہ ہیں اور تم دعوے دار ہو ایمان کے!

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَ لَقَدۡ جَآءَکُمۡ مُّوۡسٰی بِالۡبَیِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ الۡعِجۡلَ

مِنۡۢ بَعۡدِہٖ وَ اَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۹۲﴾

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

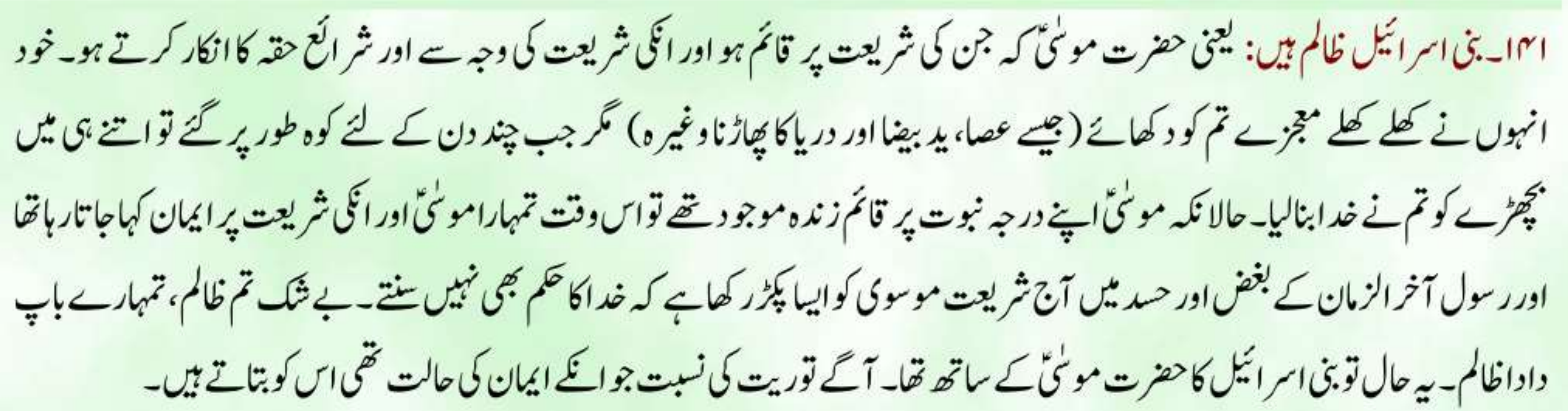

۱۴۱۔ بنی اسرائیل ظالم ہیں: یعنی حضرت موسٰیؑ کہ جن کی شریعت پر قائم ہو اور انکی شریعت کی وجہ سے اور شرائع حقہ کا انکار کرتے ہو۔ خود انہوں نے کھلے کھلے معجزے تم کو دکھائے (جیسے عصا، ید بیضا اور دریا کا پھاڑنا وغیرہ) مگر جب چند دن کے لئے کوہ طور پر گئے تو اتنے ہی میں بچھڑے کو تم نے خدا بنالیا۔ حالانکہ موسٰیؑ اپنے درجہ نبوت پر قائم زندہ موجود تھے تو اس وقت تمہارا موسٰیؑ اور انکی شریعت پر ایمان کہا جاتا رہا تھا اور رسول آخر الزمان کے بغض اور حسد میں آج شریعت موسوی کو ایسا پکڑ رکھا ہے کہ خدا کا حکم بھی نہیں سنتے۔ بے شک تم ظالم، تمہارے باپ دادا ظالم۔ یہ حال تو بنی اسرائیل کا حضرت موسٰیؑ کے ساتھ تھا۔ آگے توریت کی نسبت جو انکے ایمان کی حالت تھی اس کو بتاتے ہیں۔

مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

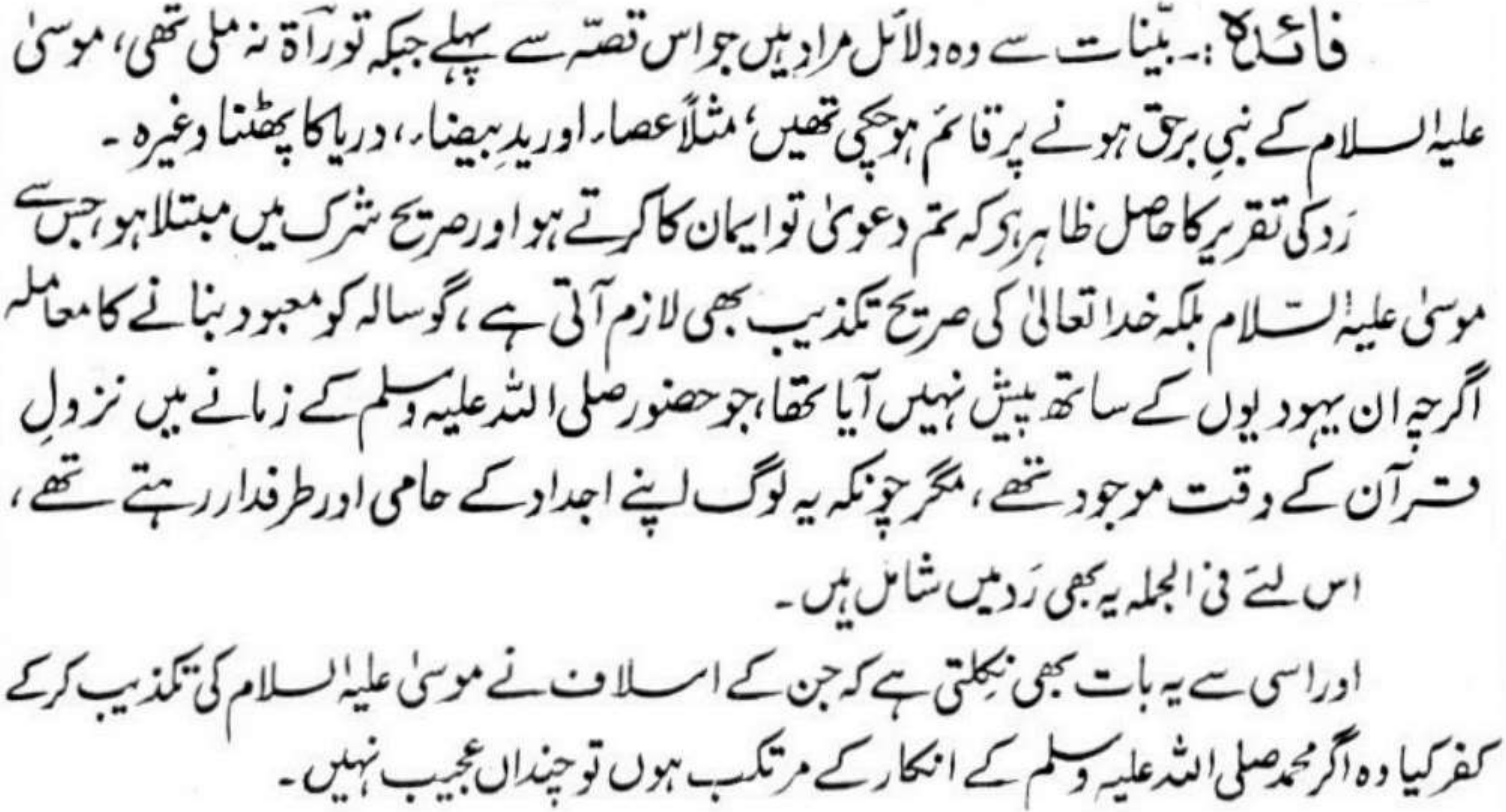

فائدہ:۔ بیّنات سے وہ دلائل مراد ہیں جو اس قصّہ سے پہلے جبکہ توراۃ نہ ملی تھی، موسیٰ علیہ السلام کے نبیِ برحق ہونے پر قائم ہو چکی تھیں، مثلاً عصا، اور یدِ بیضا، دریا کا پھٹنا وغیرہ۔

رَد کی تقریر کا حاصل ظاہر ہے کہ تم دعویٰ تو ایمان کا کرتے ہو اور صریح شرک میں مبتلا ہو جس سے موسیٰ علیہ السلام بلکہ خدا تعالیٰ کی صریح تکذیب بھی لازم آتی ہے، گو سالہ کو معبود بنانے کا معاملہ اگرچہ ان یہودیوں کے ساتھ پیش نہیں آیا تھا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نزولِ قرآن کے وقت موجود تھے، مگر چونکہ یہ لوگ اپنے اجداد کے حامی اور طرفدار رہتے تھے، اس لئے فی الجملہ یہ بھی رَد میں شامل ہیں۔

اور اسی سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ جن کے اسلاف نے موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کر کے کفر کیا وہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کے مرتکب ہوں تو چنداں عجیب نہیں۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

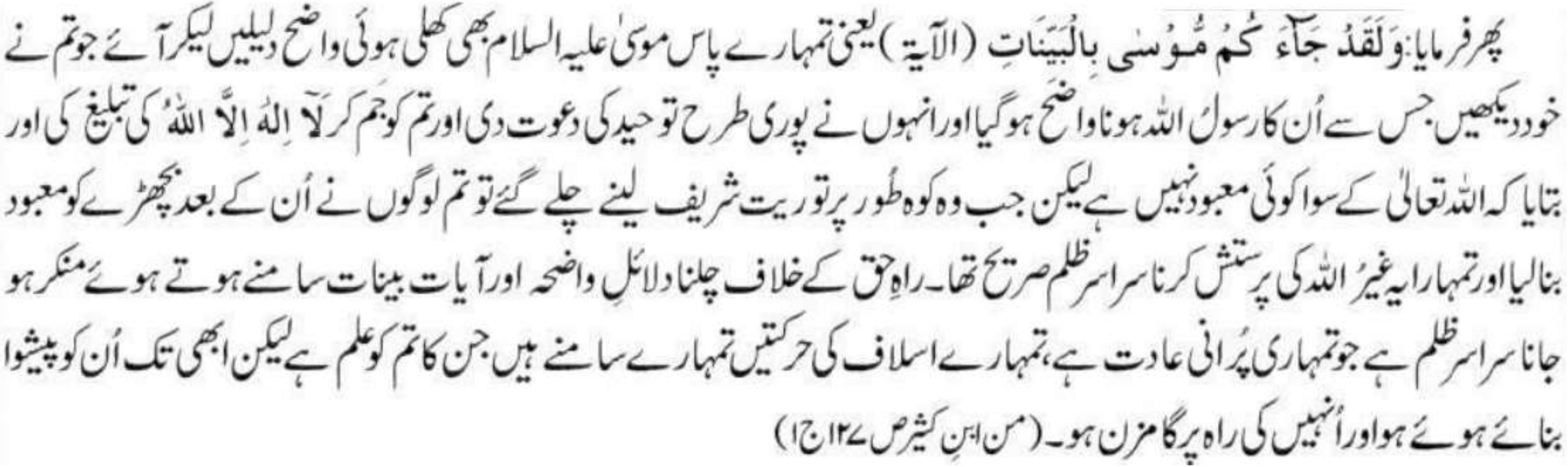

پھر فرمایا: وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ (الآیۃ) یعنی تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام بھی کھلی ہوئی واضح دلیلیں لیکر آئے جو تم نے خود دیکھیں جس سے اُن کا رسول اللہ ہونا واضح ہو گیا اور انہوں نے پوری طرح توحید کی دعوت دی اور تم کو جم کر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تبلیغ کی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے لیکن جب وہ کوہ طور پر توریت شریف لینے چلے گئے تو تم لوگوں نے اُن کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تمہارا یہ غیرُ اللہ کی پرستش کرنا سراسر ظلم صریح تھا۔ راہِ حق کے خلاف چلنا دلائلِ واضحہ اور آیات بینات سامنے ہوتے ہوئے منکر ہو جانا سراسر ظلم ہے جو تمہاری پُرانی عادت ہے، تمہارے اسلاف کی حرکتیں تمہارے سامنے ہیں جن کا تم کو علم ہے لیکن ابھی تک اُن کو پیشوا بنائے ہوئے ہو اور اُنہیں کی راہ پر گامزن ہو۔ (من ابنِ کثیر ص ۱۲۷ ج ۱)

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ (تیسیر القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

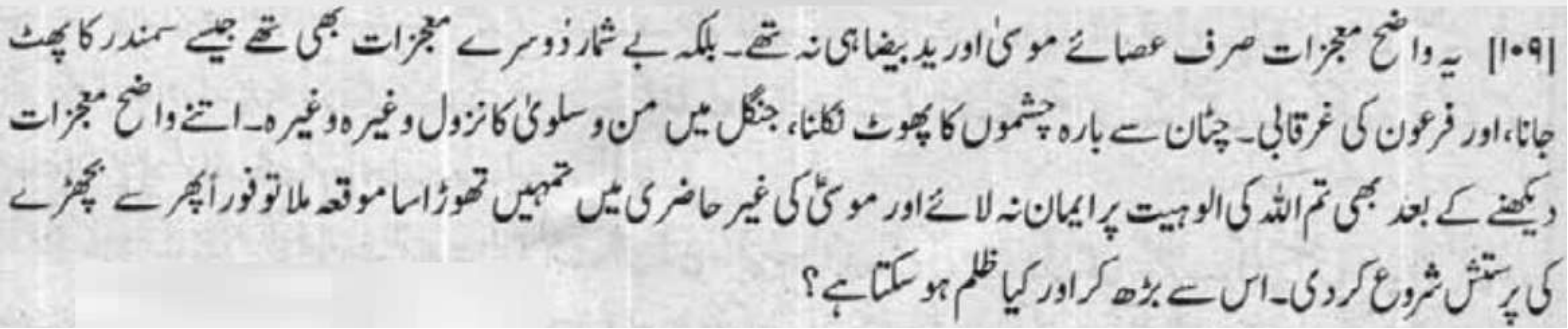

[۱۰۹] یہ واضح معجزات صرف عصائے موسیٰ اور ید بیضا ہی نہ تھے۔ بلکہ بے شمار دوسرے معجزات بھی تھے جیسے سمندر کا پھٹ جانا، اور فرعون کی غرقابی۔ چٹان سے بارہ چشموں کا پھوٹ نکلنا، جنگل میں من و سلویٰ کا نزول وغیرہ وغیرہ۔ اتنے واضح معجزات دیکھنے کے بعد بھی تم اللہ کی الوہیت پر ایمان نہ لائے اور موسیٰؑ کی غیر حاضری میں تمہیں تھوڑا سا موقعہ ملا تو فوراً بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے؟

مولانا ابو نعمان سیف اللہ خالدؒ (دعوۃ القرآن میں) فرماتے ہیں کہ :

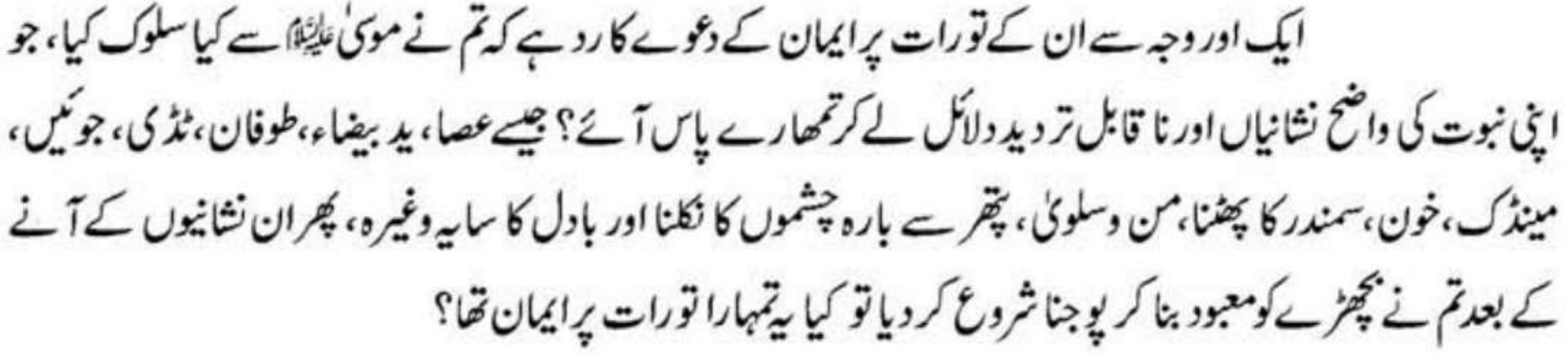

ایک اور وجہ سے ان کے تورات پر ایمان کے دعوے کا رد ہے کہ تم نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا سلوک کیا، جو اپنی نبوت کی واضح نشانیاں اور ناقابل تردید دلائل لے کر تمھارے پاس آئے؟ جیسے عصا، ید بیضاء، طوفان، ٹڈی، جوئیں، مینڈک، خون، سمندر کا پھٹنا، من و سلویٰ، پتھر سے بارہ چشموں کا نکلنا اور بادل کا سایہ وغیرہ، پھر ان نشانیوں کے آنے کے بعد تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر پوجنا شروع کر دیا تو کیا یہ تمہارا تورات پر ایمان تھا؟

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ

بِقُوَّةٍ وَّ اسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ عَصَیْنَا ۗ وَ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ

بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا یَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِیْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۹۳﴾

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

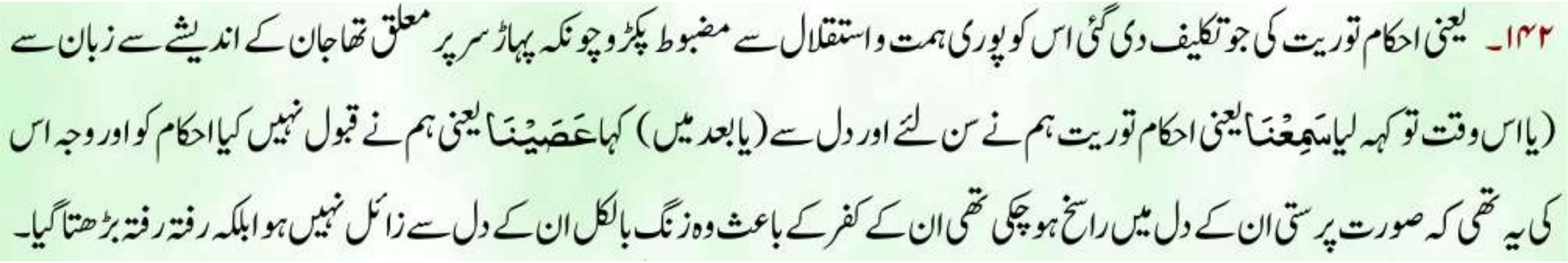

۱۴۲۔ یعنی احکام توریت کی جو تکلیف دی گئی اس کو پوری ہمت و استقلال سے مضبوط پکڑو چونکہ پہاڑ سر پر معلق تھا جان کے اندیشے سے زبان سے (یا اس وقت تو کہہ لیا سَمِعْنَا یعنی احکام توریت ہم نے سن لئے اور دل سے (یا بعد میں) کہا عَصَيْنَا یعنی ہم نے قبول نہیں کیا احکام کو اور وجہ اس کی یہ تھی کہ صورت پرستی ان کے دل میں راسخ ہو چکی تھی ان کے کفر کے باعث وہ زنگ بالکل ان کے دل سے زائل نہیں ہوا بلکہ رفتہ رفتہ بڑھتا گیا۔

مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

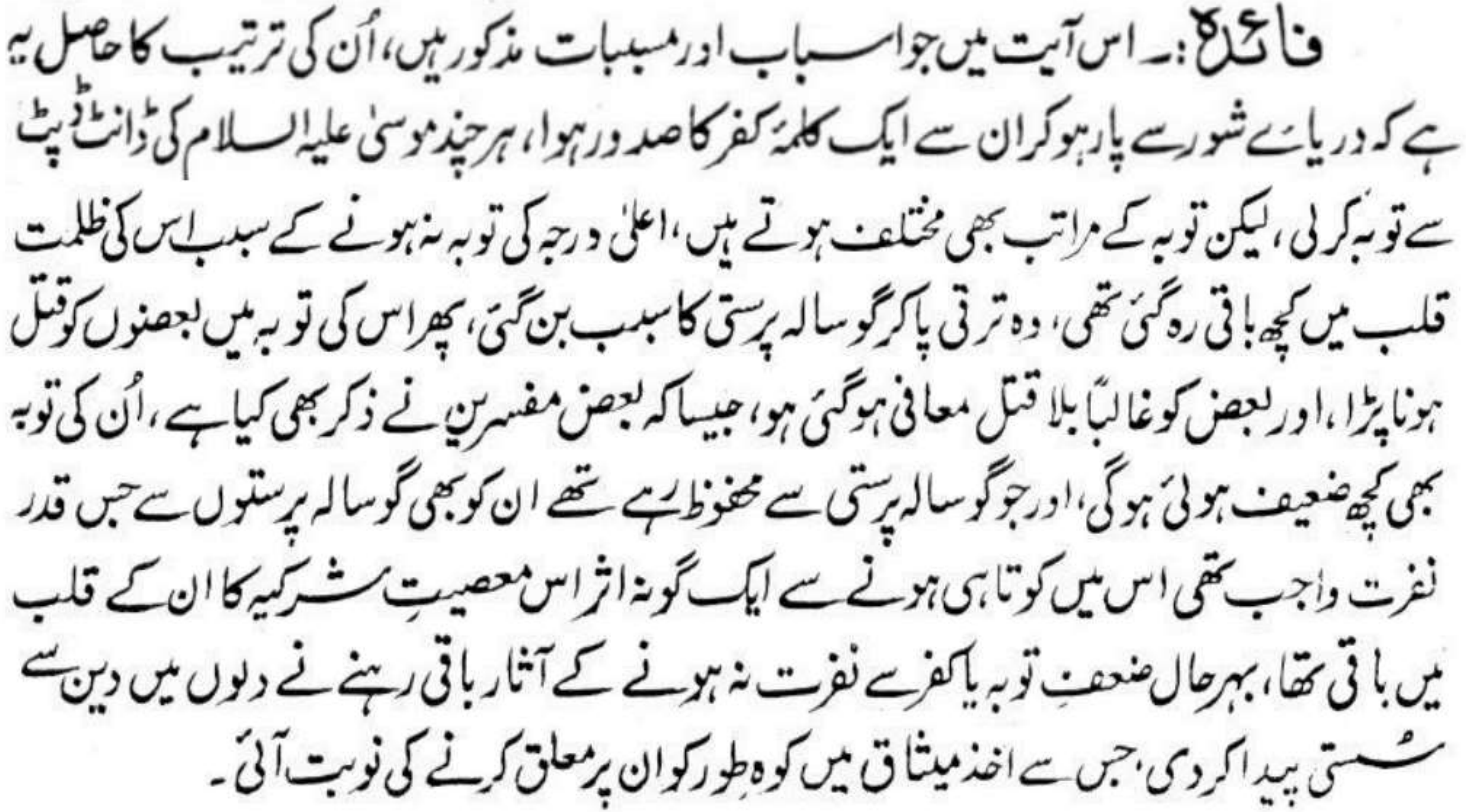

فائدہ :۔ اس آیت میں جو اسباب اور مسببات مذکور ہیں، اُن کی ترتیب کا حاصل یہ ہے کہ دریائے شور سے پار ہو کر ان سے ایک کلمۂ کفر کا صدور ہوا، ہر چند موسیٰ علیہ السلام کی ڈانٹ ڈپٹ سے توبہ کر لی، لیکن توبہ کے مراتب بھی مختلف ہوتے ہیں، اعلیٰ درجہ کی توبہ نہ ہونے کے سبب اس کی ظلمت قلب میں کچھ باقی رہ گئی تھی، وہ ترقی پا کر گوسالہ پرستی کا سبب بن گئی، پھر اس کی توبہ میں بعضوں کو قتل ہونا پڑا، اور بعض کو غالباً بلا قتل معافی ہو گئی ہو، جیسا کہ بعض مفسرین نے ذکر بھی کیا ہے، اُن کی توبہ بھی کچھ ضعیف ہوئی ہو گی، اور جو گوسالہ پرستی سے محفوظ رہے تھے ان کو بھی گوسالہ پرستوں سے جس قدر نفرت واجب تھی اس میں کوتاہی ہونے سے ایک گونہ اثر اس معصیتِ شرکیہ کا ان کے قلب میں باقی تھا، بہرحال ضعفِ توبہ یا کفر سے نفرت نہ ہونے کے آثار باقی رہنے نے دلوں میں دین سے سستی پیدا کر دی، جس سے اخذ میثاق میں کوہِ طور کو ان پر معلق کرنے کی نوبت آئی۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ :

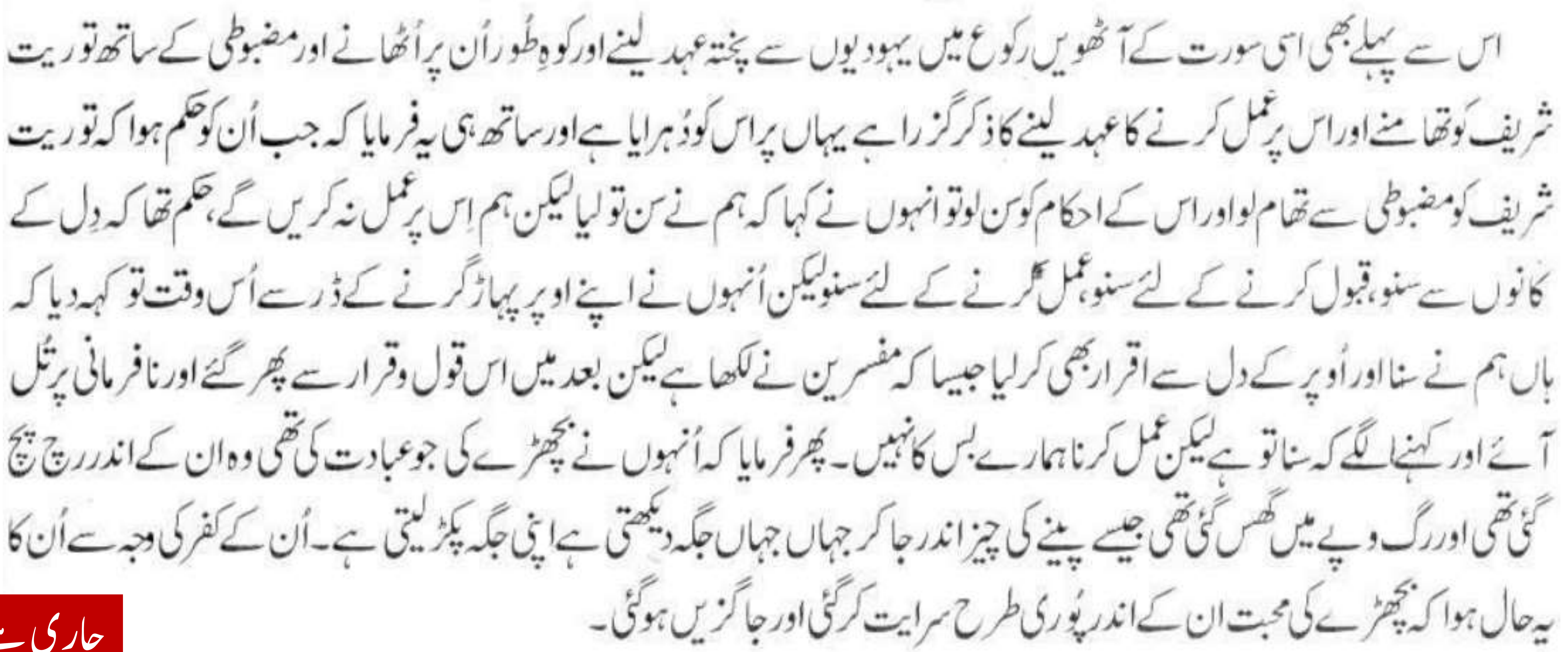

اس سے پہلے بھی اسی سورت کے آٹھویں رکوع میں یہودیوں سے پختہ عہد لینے اور کوہِ طور اُن پر اُٹھانے اور مضبوطی کے ساتھ توریت شریف کو تھامنے اور اس پر عمل کرنے کا عہد لینے کا ذکر گزرا ہے یہاں پر اس کو دُہرایا ہے اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ جب اُن کو حکم ہوا کہ توریت شریف کو مضبوطی سے تھام لو اور اس کے احکام کو سن لو تو انہوں نے کہا کہ ہم نے سن تو لیا لیکن ہم اِس پر عمل نہ کریں گے، حکم تھا کہ دِل کے کانوں سے سنو، قبول کرنے کے لئے سنو، عمل کرنے کے لئے سنو لیکن اُنہوں نے اپنے اوپر پہاڑ گرنے کے ڈر سے اُس وقت تو کہہ دیا کہ ہاں ہم نے سنا اور اُوپر کے دل سے اقرار بھی کرلیا جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے لیکن بعد میں اس قول وقرار سے پھر گئے اور نافرمانی پر تُل آئے اور کہنے لگے کہ سنا تو ہے لیکن عمل کرنا ہمارے بس کا نہیں۔ پھر فرمایا کہ اُنہوں نے بچھڑے کی جو عبادت کی تھی وہ ان کے اندر رچ پچ گئی تھی اور رگ وپے میں گھس گئی تھی جیسے پینے کی چیز اندر جا کر جہاں جہاں جگہ دیکھتی ہے اپنی جگہ پکڑ لیتی ہے۔ اُن کے کفر کی وجہ سے اُن کا یہ حال ہوا کہ بچھڑے کی محبت ان کے اندر پُوری طرح سرایت کرگئی اور جاگزیں ہوگئی۔

جاری ہے

پھر فرمایا کہ آپ ان سے فرمادیں تم ایمان کے دعویدار ہو اگر تم مؤمن ہو (حالانکہ مؤمن نہیں) تو سمجھ لو کہ تمہارا ایمان تمہیں بُرے اعمال کی تعلیم دیتا ہے، کفر اور شرک پر آمادہ کرتا ہے، یہ کیسا ایمان ہے جو توحید کی تعلیم نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اُبھارتا ہے اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب پر آمادہ کرتا ہے جن کا نبی ہونا تم پر دلائل سے واضح ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

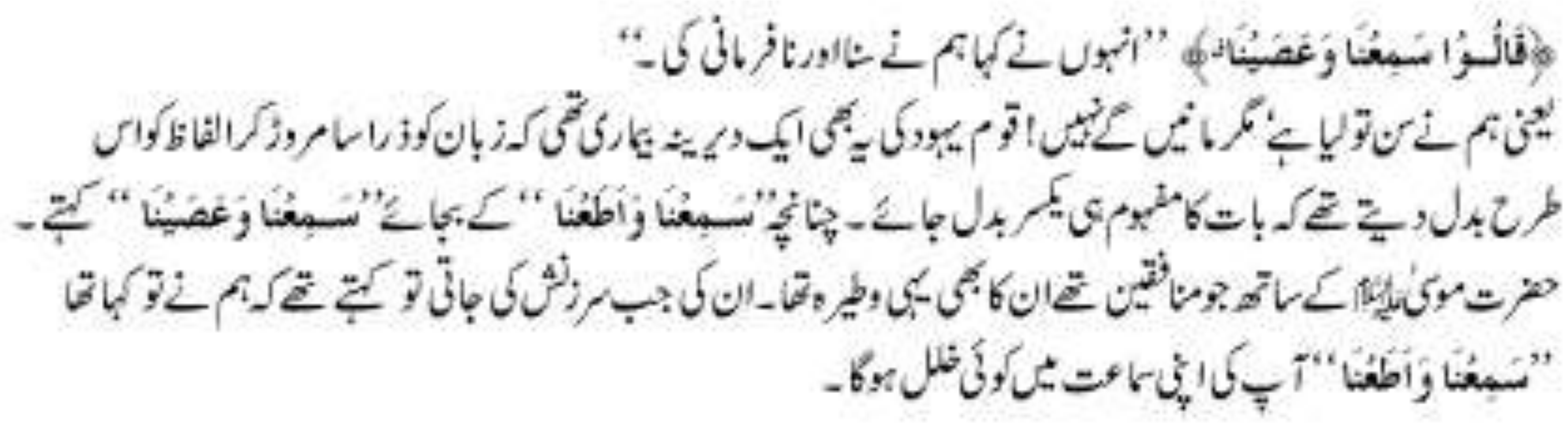

﴿قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا﴾ ''انہوں نے کہا ہم نے سنا اور نافرمانی کی۔''
یعنی ہم نے سن تو لیا ہے، مگر مانیں گے نہیں! قوم یہود کی یہ بھی ایک دیرینہ بیماری تھی کہ زبان کو ذرا سا مروڑ کر الفاظ کو اس طرح بدل دیتے تھے کہ بات کا مفہوم ہی یکسر بدل جائے۔ چنانچہ ''سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا'' کے بجائے ''سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا'' کہتے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو منافقین تھے ان کا بھی یہی وطیرہ تھا۔ ان کی جب سرزنش کی جاتی تو کہتے تھے کہ ہم نے تو کہا تھا ''سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا'' آپ کی اپنی سماعت میں کوئی خلل ہوگا۔

جاری ہے

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

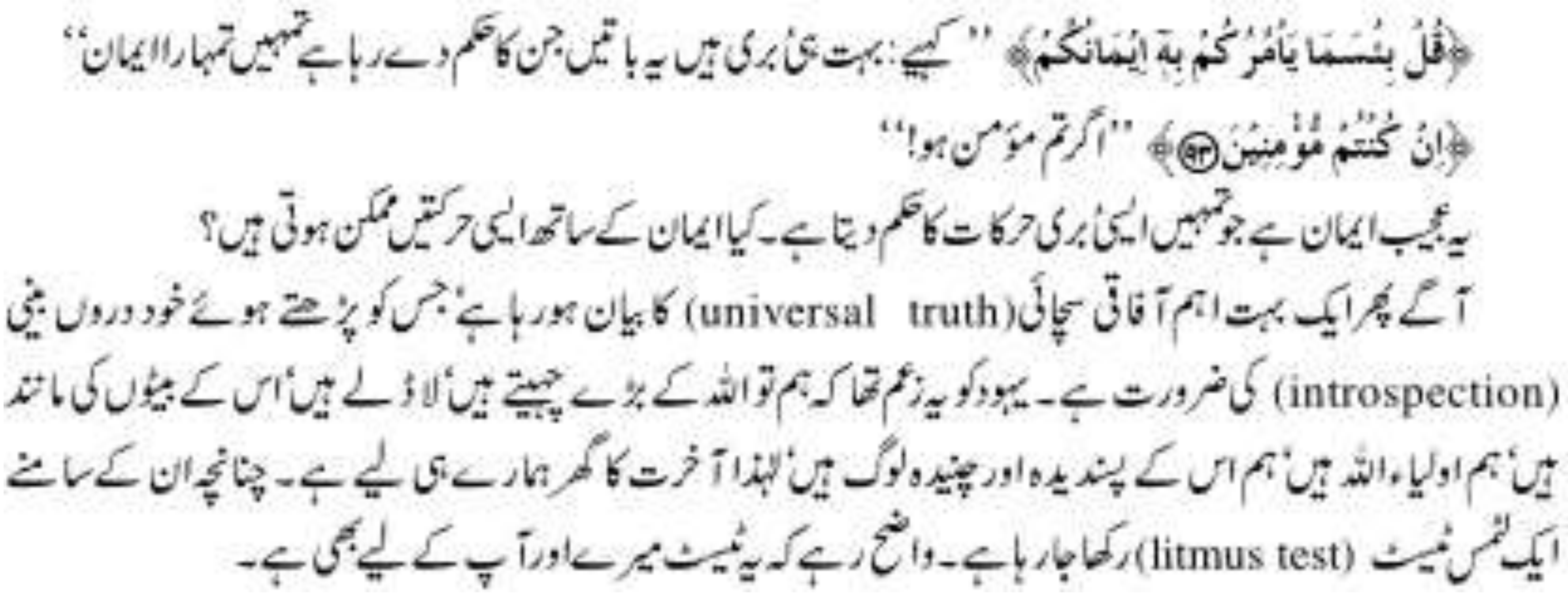

﴿قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ﴾ ”کہیے: بہت ہی بری ہیں یہ باتیں جن کا حکم دے رہا ہے تمہیں تمہارا ایمان“
﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩٣﴾﴾ ”اگر تم مومن ہو!“

یہ عجیب ایمان ہے جو تمہیں ایسی بری حرکات کا حکم دیتا ہے۔ کیا ایمان کے ساتھ ایسی حرکتیں ممکن ہوتی ہیں؟

آگے پھر ایک بہت اہم آفاقی سچائی (universal truth) کا بیان ہو رہا ہے، جس کو پڑھتے ہوئے خود دروں بینی (introspection) کی ضرورت ہے۔ یہود کو یہ زعم تھا کہ ہم تو اللہ کے بڑے چہیتے ہیں، لاڈلے ہیں، اس کے بیٹوں کی مانند ہیں، ہم اولیاء اللہ ہیں، ہم اس کے پسندیدہ اور چنیدہ لوگ ہیں، لہٰذا آخرت کا گھر ہمارے ہی لیے ہے۔ چنانچہ ان کے سامنے ایک لٹمس ٹیسٹ (litmus test) رکھا جا رہا ہے۔ واضح رہے کہ یہ ٹیسٹ میرے اور آپ کے لیے بھی ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ
دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۹۴

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

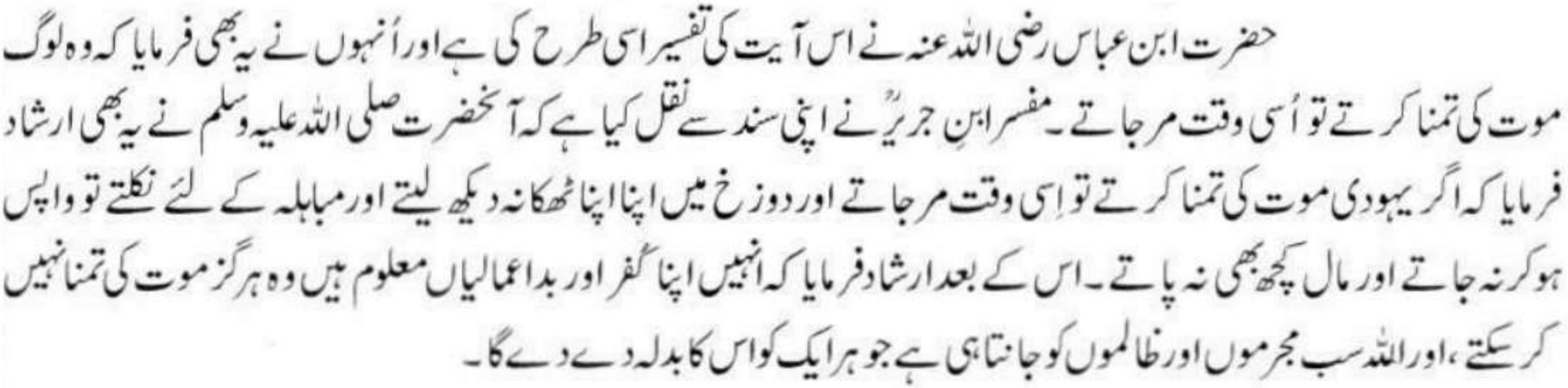

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے اور اُنہوں نے یہ بھی فرمایا کہ وہ لوگ موت کی تمنا کرتے تو اُسی وقت مرجاتے۔ مفسر ابنِ جریرؒ نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو اِسی وقت مرجاتے اور دوزخ میں اپنا اپنا ٹھکانہ دیکھ لیتے اور مباہلہ کے لئے نکلتے تو واپس ہوکر نہ جاتے اور مال کچھ بھی نہ پاتے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ انہیں اپنا کفر اور بداعمالیاں معلوم ہیں وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کرسکتے، اور اللہ سب مجرموں اور ظالموں کو جانتا ہی ہے جو ہر ایک کو اس کا بدلہ دے دے گا۔

موت کی تمنّا کرنے پر مختلف اعتراضات

اور

اشکالات

موت کی تمنّا کرنے پر پہلا اعتراض

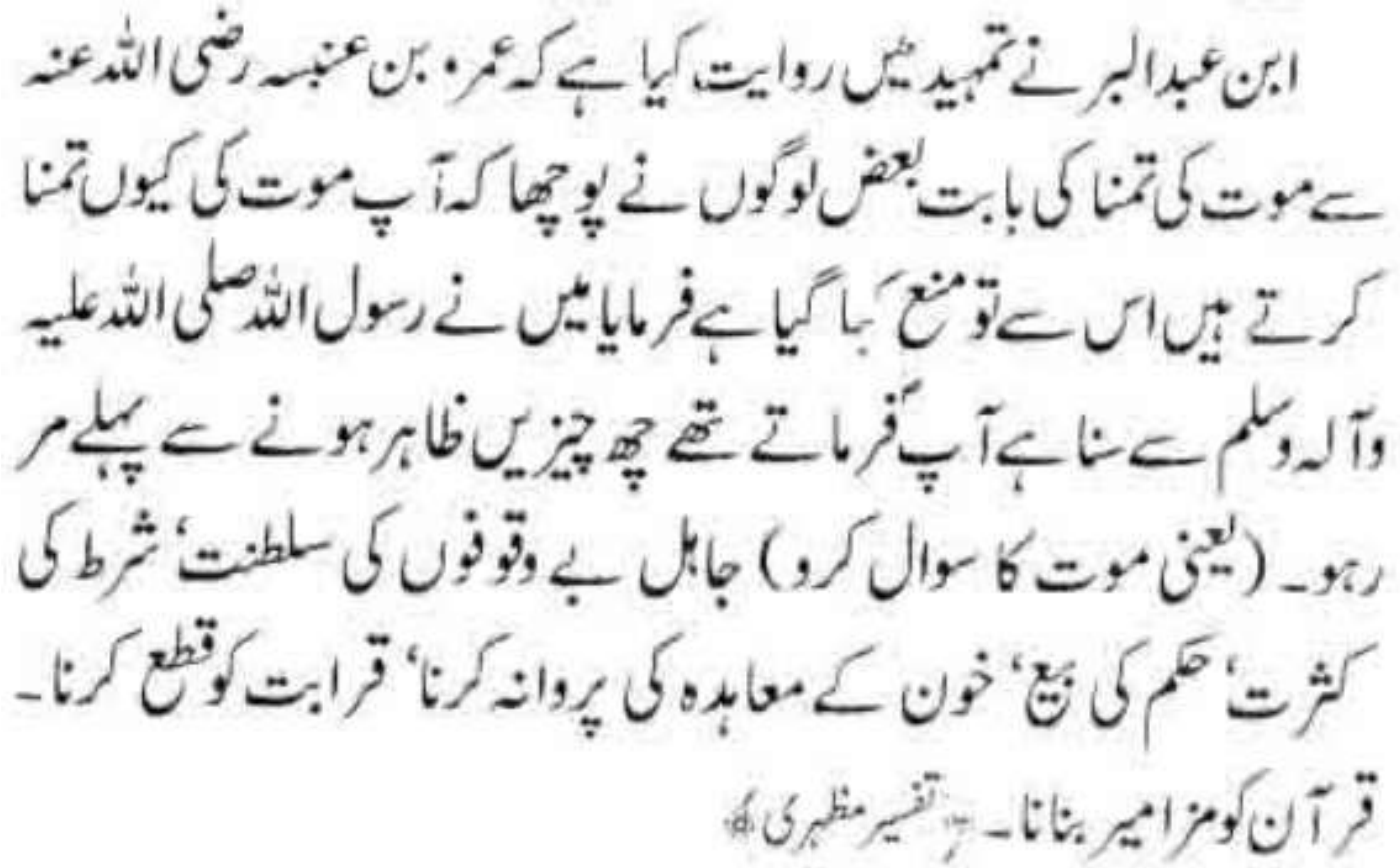

ابن عبدالبر نے تمہید میں روایت کیا ہے کہ عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ سے موت کی تمنا کی بابت بعض لوگوں نے پوچھا کہ آپ موت کی کیوں تمنا کرتے ہیں اس سے تو منع کیا گیا ہے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے چھ چیزیں ظاہر ہونے سے پہلے مر رہو۔ (یعنی موت کا سوال کرو) جاہل بے وقوفوں کی سلطنت، شرط کی کثرت، حکم کی بیع، خون کے معاہدہ کی پروانہ کرنا، قرابت کو قطع کرنا۔ قرآن کو مزامیر بنانا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

موت کی تمنّا کرنے پر دوسرا اعتراض

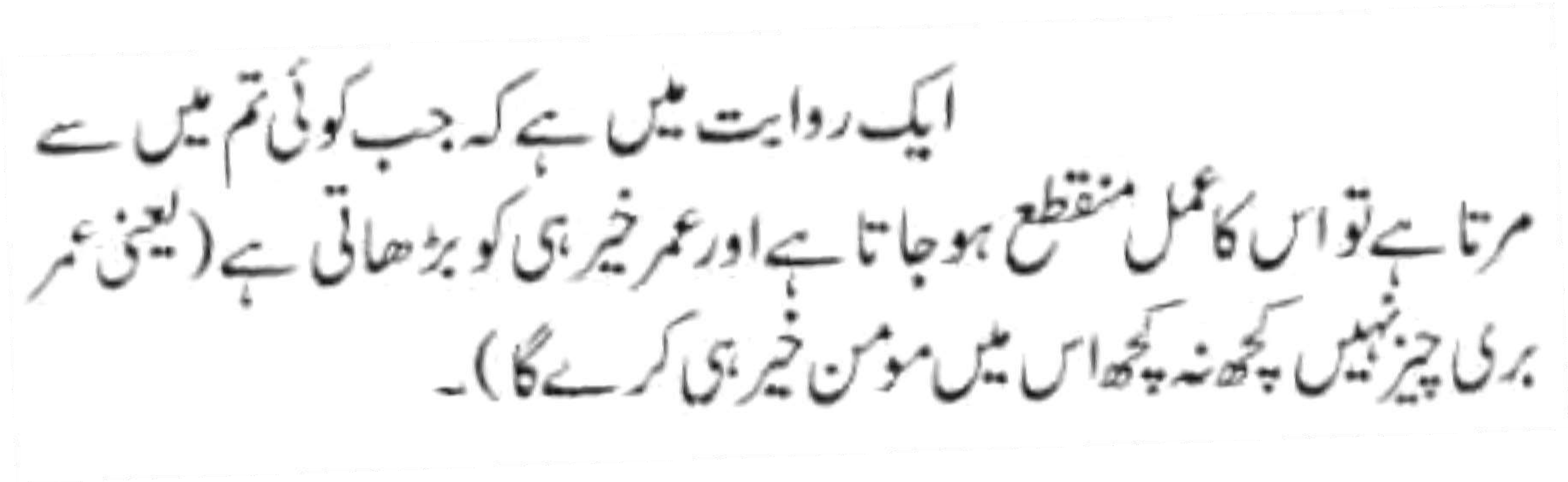

ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی تم میں سے مرتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور عمر خیر ہی کو بڑھاتی ہے (یعنی عمر بری چیز نہیں کچھ نہ کچھ اس میں مومن خیر ہی کرے گا)۔

موت کی تمنّا کرنے پر تیسرا اعتراض

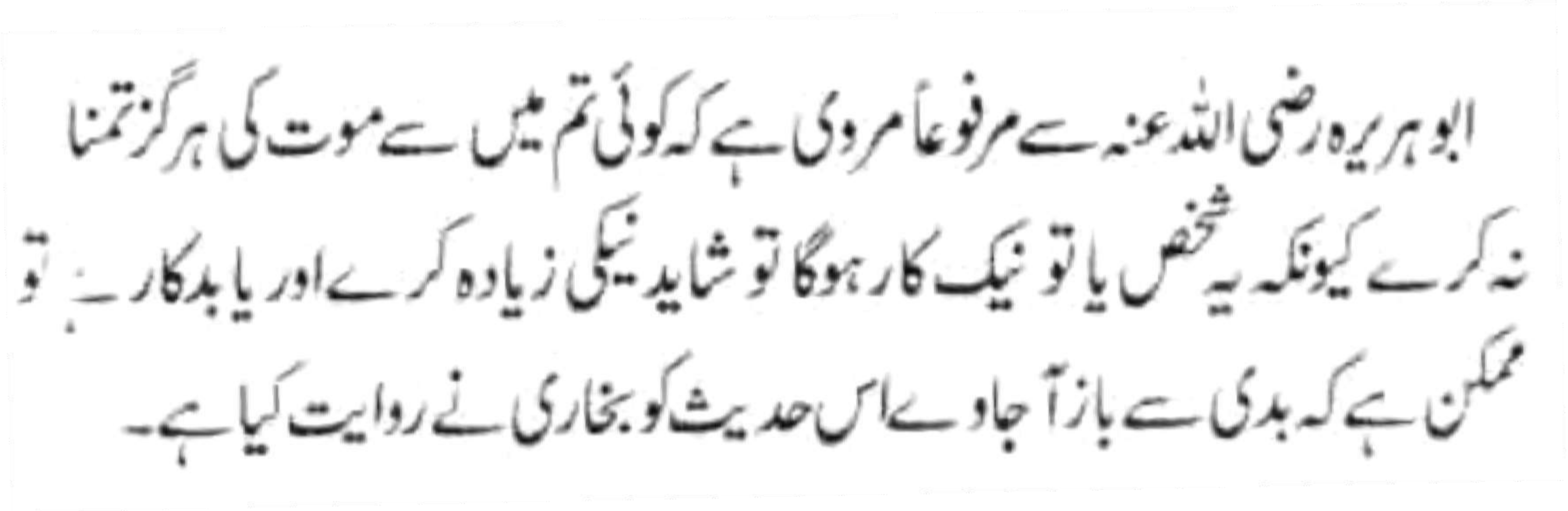

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ کوئی تم میں سے موت کی ہرگز تمنا نہ کرے کیونکہ یہ شخص یا تو نیک کار ہوگا تو شاید نیکی زیادہ کرے اور یا بدکار ہے تو ممکن ہے کہ بدی سے باز آ جاوے اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔

موت کی تمنّا کرنے پر چوتھا اعتراض

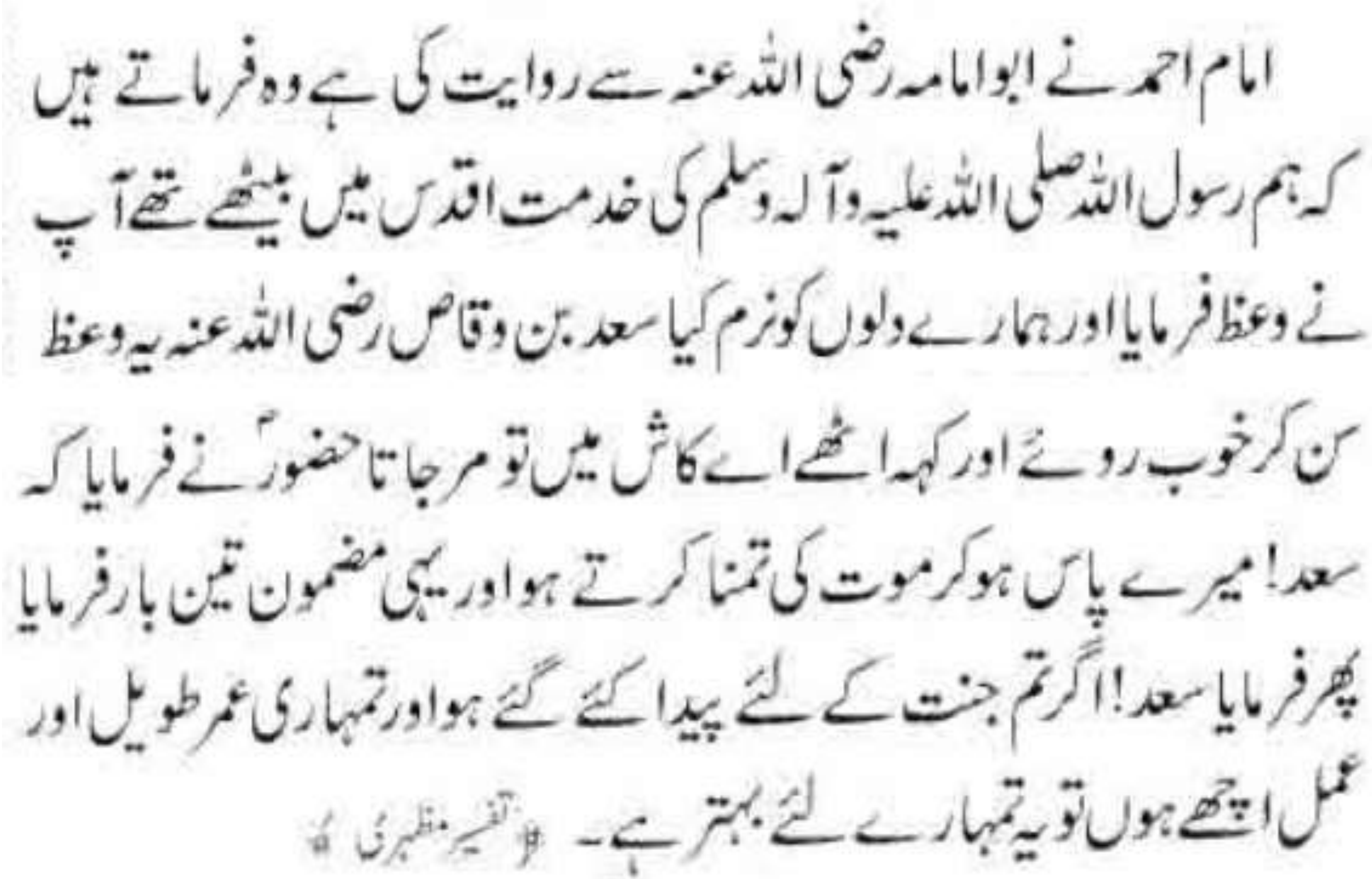

امام احمد نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھے تھے آپ نے وعظ فرمایا اور ہمارے دلوں کو نرم کیا سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ یہ وعظ سن کر خوب روئے اور کہہ اٹھے اے کاش میں تو مر جاتا حضورؐ نے فرمایا کہ سعد! میرے پاس ہو کر موت کی تمنا کرتے ہو اور یہی مضمون تین بار فرمایا پھر فرمایا سعد! اگر تم جنت کے لئے پیدا کئے گئے ہو اور تمہاری عمر طویل اور عمل اچھے ہوں تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

موت کی تمنّا کرنے کے حق میں دلائل

موت کی تمنّا کرنے کے حق میں پہلی دلیل

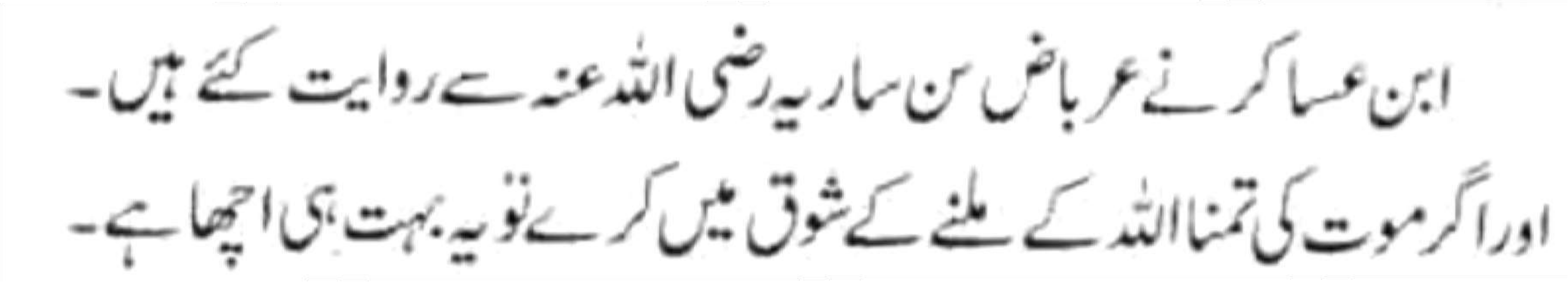

ابن عساکر نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیئے ہیں۔

اور اگر موت کی تمنا اللہ کے ملنے کے شوق میں کرے تو یہ بہت ہی اچھا ہے۔

موت کی تمنّا کرنے کے حق میں دوسری دلیل

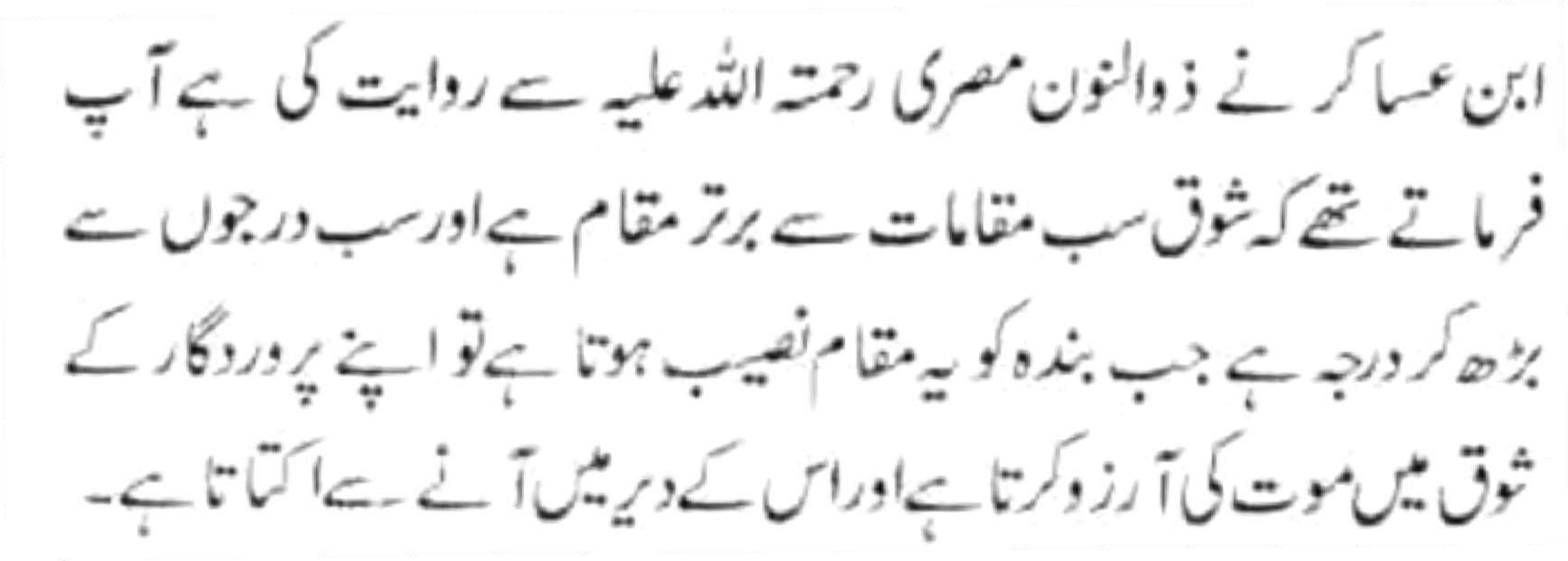

ابن عساکر نے ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے آپ فرماتے تھے کہ شوق سب مقامات سے برتر مقام ہے اور سب درجوں سے بڑھ کر درجہ ہے جب بندہ کو یہ مقام نصیب ہوتا ہے تو اپنے پروردگار کے شوق میں موت کی آرزو کرتا ہے اور اس کے دیر میں آنے سے اکتاتا ہے۔

موت کی تمنّا کرنے کے حق میں تیسری دلیل

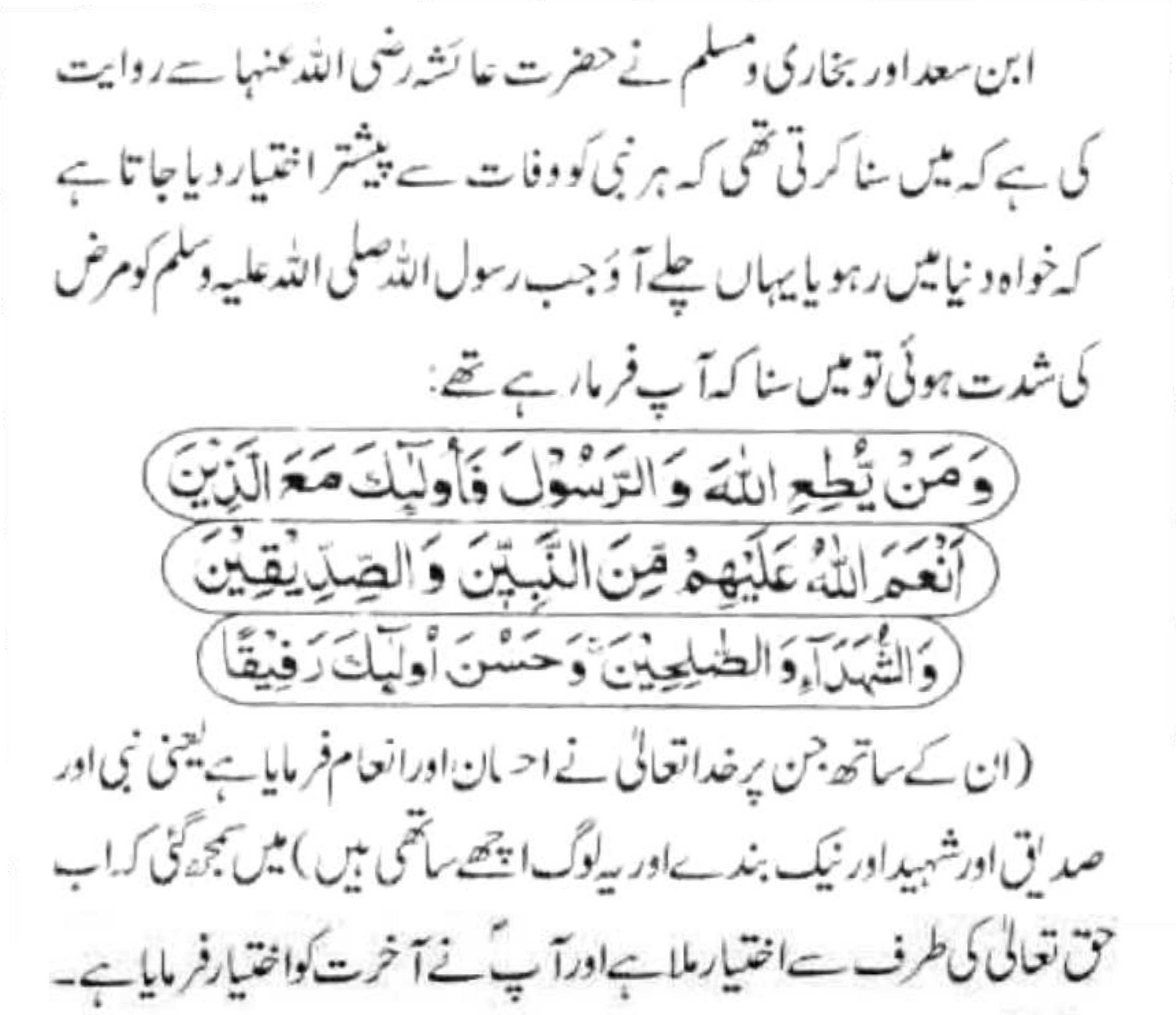

ابن سعد اور بخاری و مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ میں سنا کرتی تھی کہ ہر نبی کو وفات سے پیشتر اختیار دیا جاتا ہے کہ خواہ دنیا میں رہو یا یہاں چلے آؤ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض کی شدت ہوئی تو میں سنا کہ آپ فرما رہے تھے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ
اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ
وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا

(ان کے ساتھ جن پر خدا تعالیٰ نے احسان اور انعام فرمایا ہے یعنی نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بندے اور یہ لوگ اچھے ساتھی ہیں) میں سمجھ گئی کہ اب حق تعالیٰ کی طرف سے اختیار ملا ہے اور آپ نے آخرت کو اختیار فرمایا ہے۔

موت کی تمنّا کرنے کے حق میں چوتھی دلیل

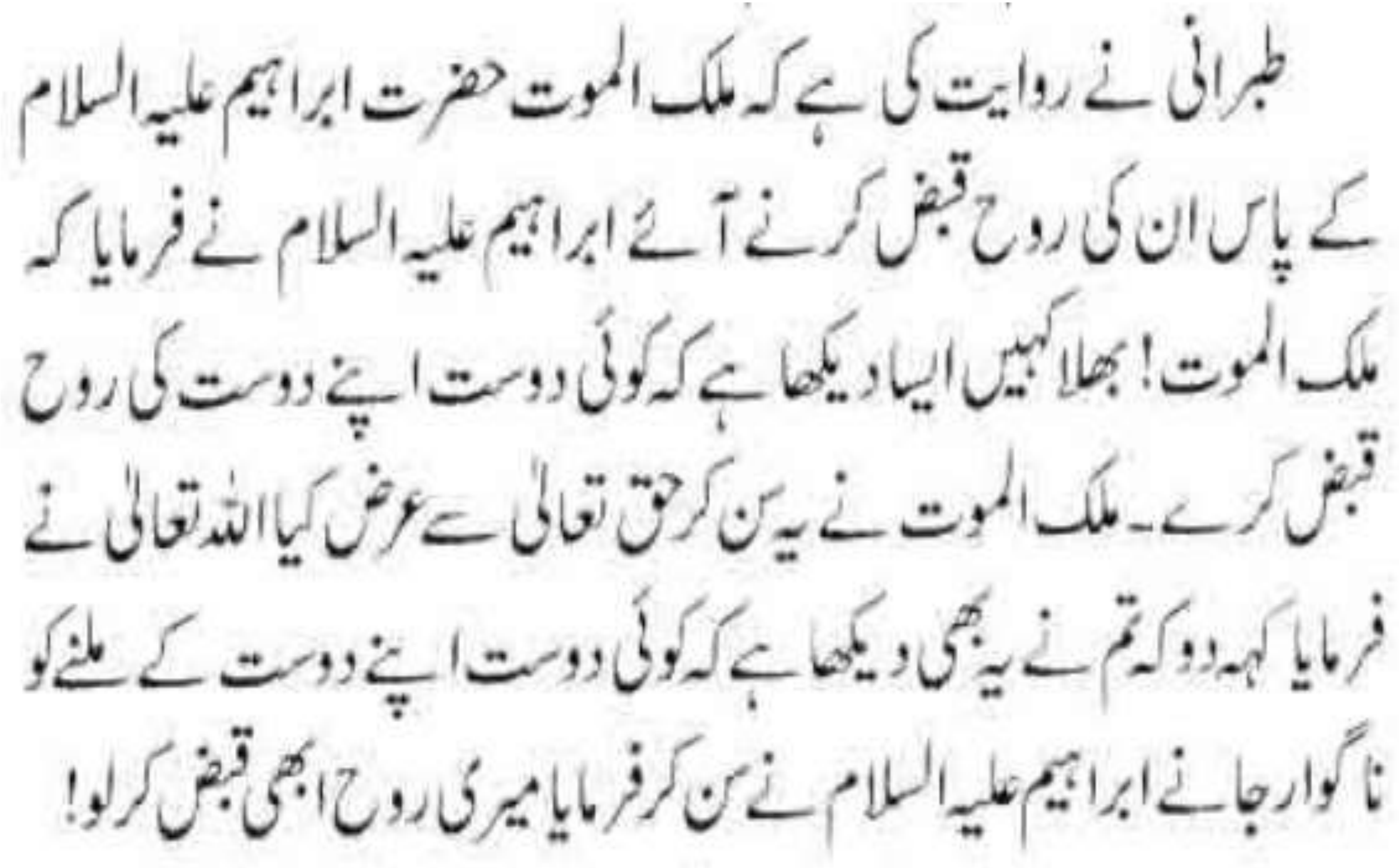

طبرانی نے روایت کی ہے کہ ملک الموت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ان کی روح قبض کرنے آئے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ملک الموت! بھلا کہیں ایسا دیکھا ہے کہ کوئی دوست اپنے دوست کی روح قبض کرے۔ ملک الموت نے یہ سن کر حق تعالیٰ سے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہہ دو کہ تم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کوئی دوست اپنے دوست کے ملنے کو ناگوار جانے ابراہیم علیہ السلام نے سن کر فرمایا میری روح ابھی قبض کرلو!

موت کی تمنّا کرنے کے حق میں پانچویں دلیل

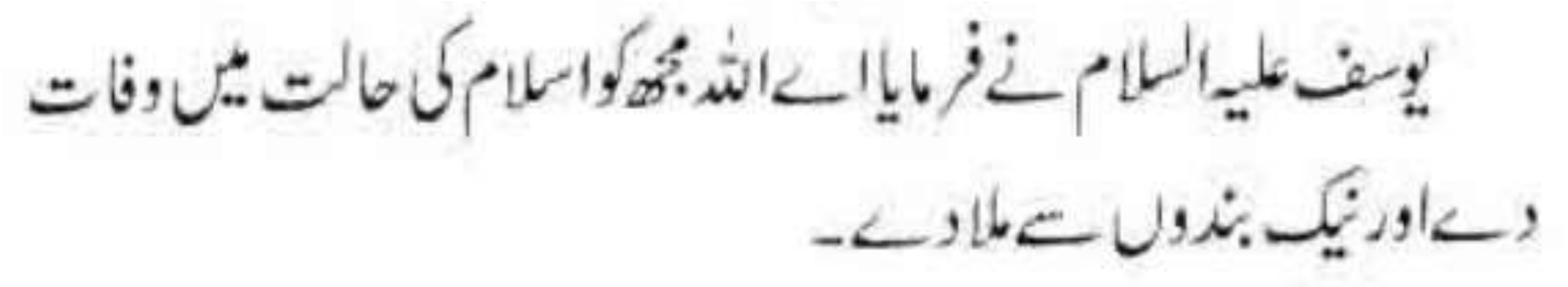

یوسف علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ مجھ کو اسلام کی حالت میں وفات دے اور نیک بندوں سے ملا دے۔

موت کی تمنّا کرنے کے حق میں چھٹی دلیل

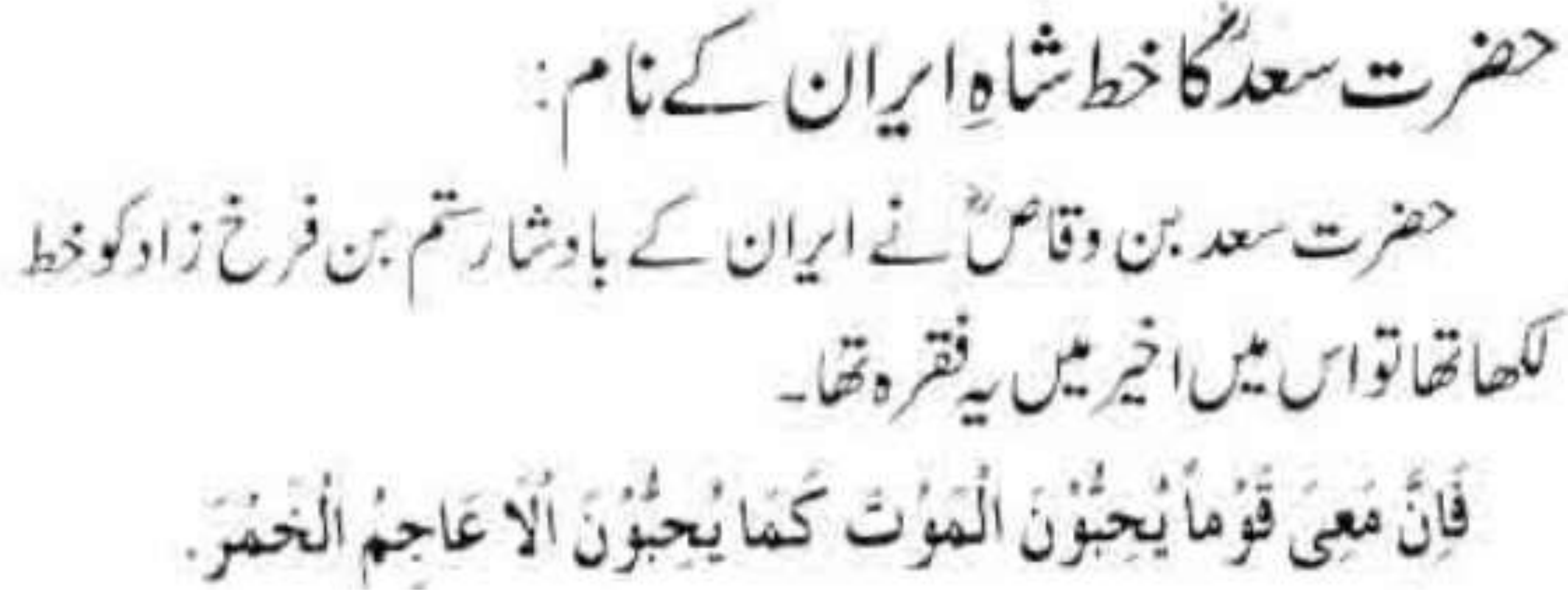

حضرت سعدؓ کا خط شاہِ ایران کے نام:

حضرت سعد بن وقاصؓ نے ایران کے بادشا رستم بن فرخ زاد کو خط لکھا تھا تو اس میں اخیر میں یہ فقرہ تھا۔

فَاِنَّ مَعِیَ قَوْمًا یُحِبُّوْنَ الْمَوْتَ کَمَا یُحِبُّوْنَ الْاَعَاجِمُ الْخَمْرَ.

موت کی تمنّا کرنے کے حق میں ساتویں دلیل

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا پسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اُس سے ملنا پسند کرتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا پسند نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ بھی اُس سے ملنا پسند نہیں کرتے ہیں۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم

موت کی تمنّا کرنے کے ضمن میں راجح قول

موت کی تمنّا کرنے کے ضمن میں راجح قول

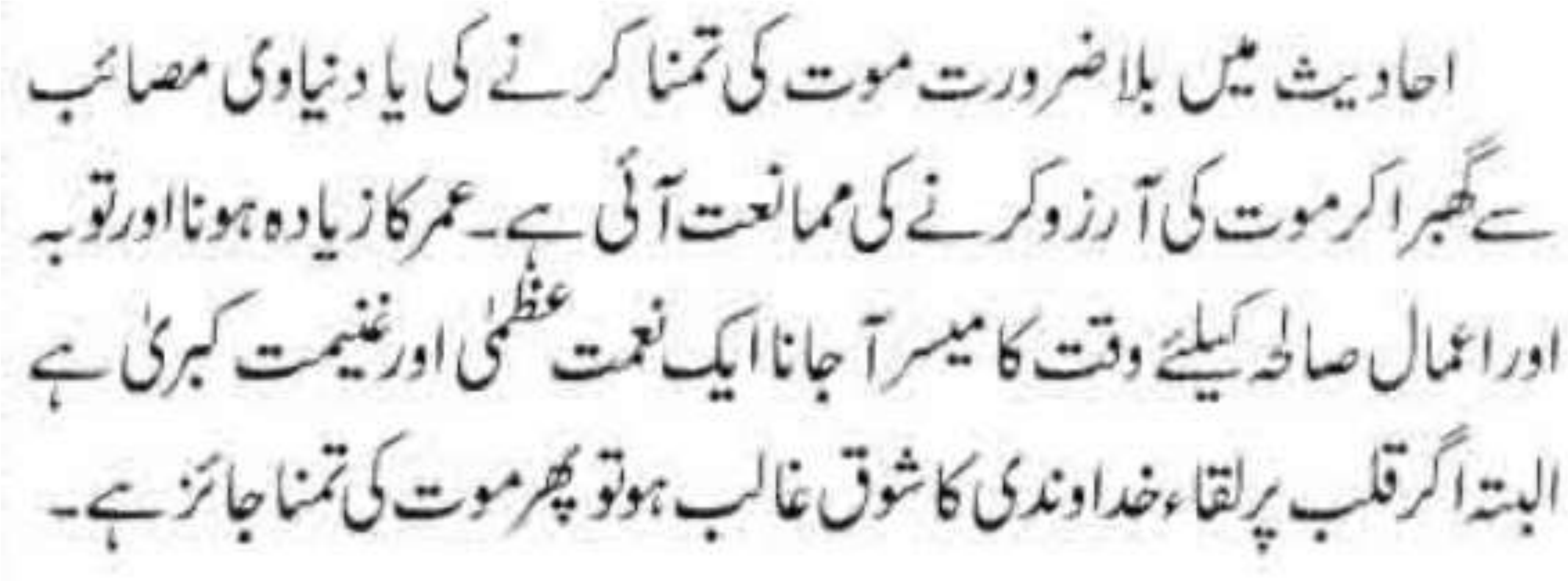

احادیث میں بلاضرورت موت کی تمنا کرنے کی یا دنیاوی مصائب سے گھبرا کر موت کی آرزو کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ عمر کا زیادہ ہونا اور توبہ اور اعمال صالحہ کیلئے وقت کا میسر آ جانا ایک نعمت عظمیٰ اور غنیمت کبریٰ ہے البتہ اگر قلب پر لقاء خداوندی کا شوق غالب ہو تو پھر موت کی تمنا جائز ہے۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

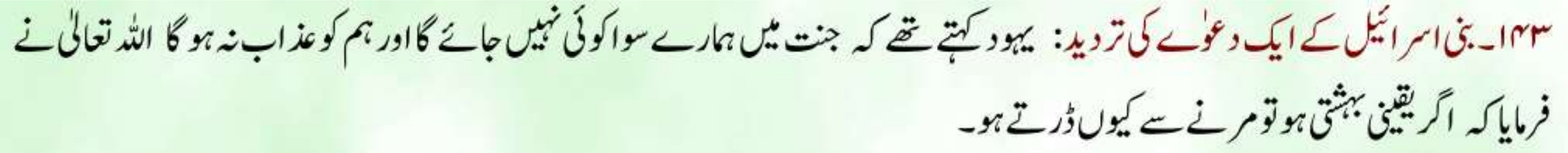

۱۴۳۔ **بنی اسرائیل کے ایک دعوٰے کی تردید:** یہود کہتے تھے کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی نہیں جائے گا اور ہم کو عذاب نہ ہو گا اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اگر یقینی بہشتی ہو تو مرنے سے کیوں ڈرتے ہو۔

مولانا ادریس کاندھلویؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

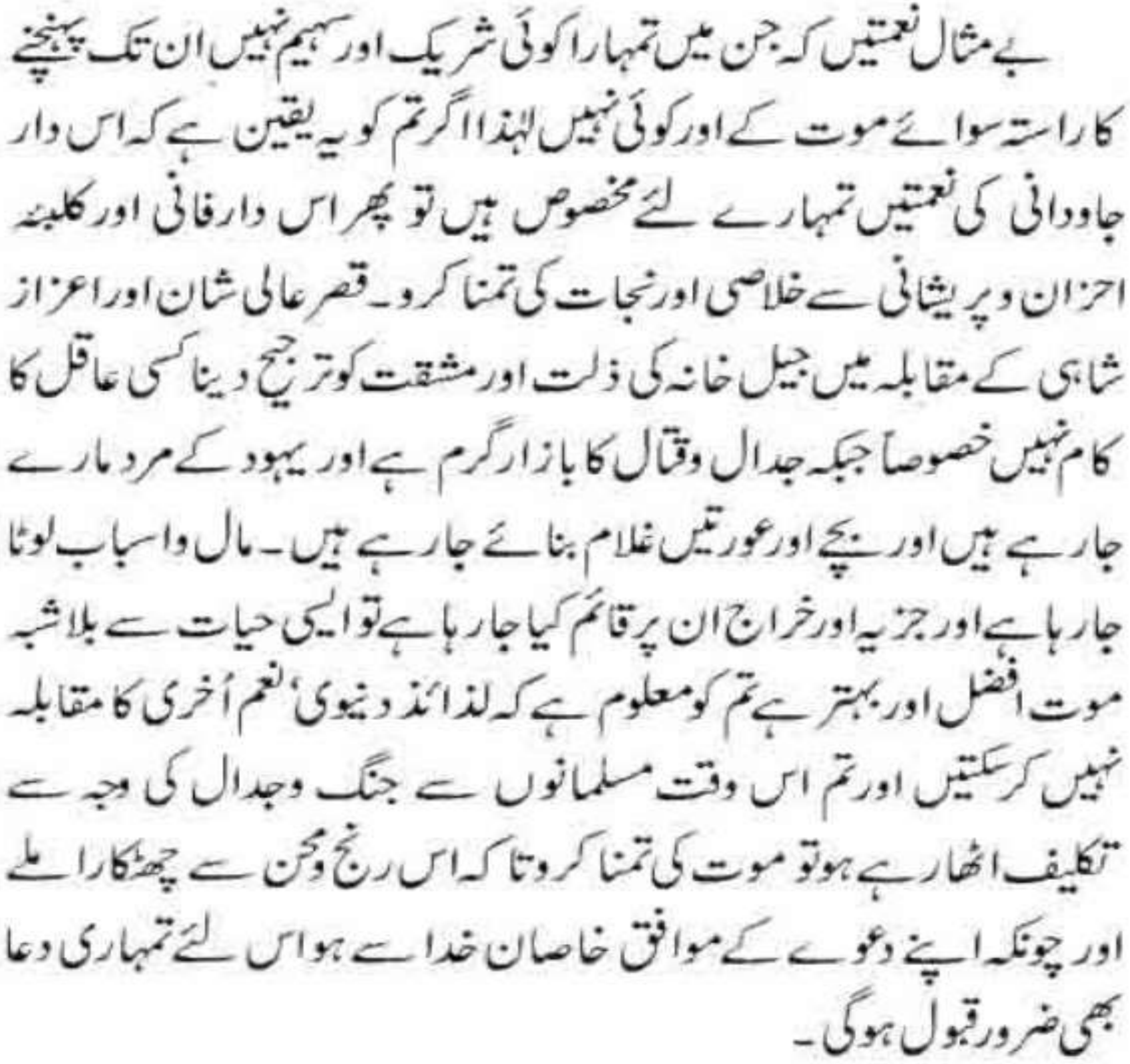

بے مثال نعمتیں کہ جن میں تمہارا کوئی شریک اور سہیم نہیں ان تک پہنچنے کا راستہ سوائے موت کے اور کوئی نہیں لہذا اگر تم کو یہ یقین ہے کہ اس دار جاودانی کی نعمتیں تمہارے لئے مخصوص ہیں تو پھر اس دار فانی اور کلبۂ احزان و پریشانی سے خلاصی اور نجات کی تمنا کرو۔ قصر عالی شان اور اعزاز شاہی کے مقابلہ میں جیل خانہ کی ذلت اور مشقت کو ترجیح دینا کسی عاقل کا کام نہیں خصوصاً جبکہ جدال وقتال کا بازار گرم ہے اور یہود کے مرد مارے جا رہے ہیں اور بچے اور عورتیں غلام بنائے جا رہے ہیں۔ مال و اسباب لوٹا جا رہا ہے اور جزیہ اور خراج ان پر قائم کیا جا رہا ہے تو ایسی حیات سے بلاشبہ موت افضل اور بہتر ہے تم کو معلوم ہے کہ لذائذ دنیوی، نعم اُخری کا مقابلہ نہیں کر سکتیں اور تم اس وقت مسلمانوں سے جنگ و جدال کی وجہ سے تکلیف اٹھا رہے ہو تو موت کی تمنا کرو تا کہ اس رنج و محن سے چھٹکارا ملے اور چونکہ اپنے دعوے کے موافق خاصان خدا سے ہو اس لئے تمہاری دعا بھی ضرور قبول ہوگی۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

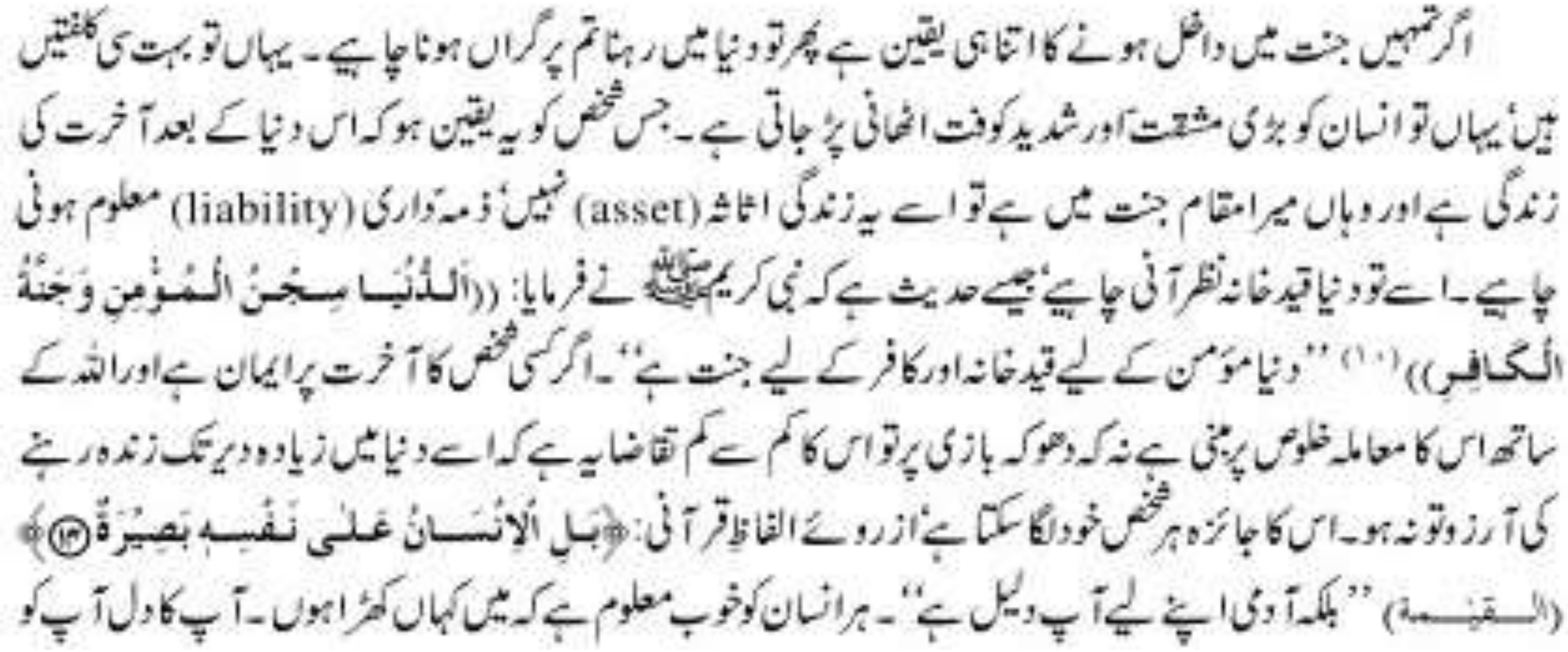

اگر تمہیں جنت میں داخل ہونے کا اتنا ہی یقین ہے پھر تو دنیا میں رہنا تم پر گراں ہونا چاہیے۔ یہاں تو بہت سی کلفتیں ہیں' یہاں تو انسان کو بڑی مشقت اور شدید کوفت اٹھانی پڑ جاتی ہے۔ جس شخص کو یہ یقین ہو کہ اس دنیا کے بعد آخرت کی زندگی ہے اور وہاں میرا مقام جنت میں ہے تو اسے یہ زندگی اثاثہ (asset) نہیں' ذمہ داری (liability) معلوم ہونی چاہیے۔ اسے تو دنیا قید خانہ نظر آنی چاہیے' جیسے حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْکَافِرِ))⁽¹⁰⁾ ''دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے''۔ اگر کسی شخص کا آخرت پر ایمان ہے اور اللہ کے ساتھ اس کا معاملہ خلوص پر مبنی ہے نہ کہ دھوکہ بازی پر تو اس کا کم سے کم تقاضا یہ ہے کہ اسے دنیا میں زیادہ دیر تک زندہ رہنے کی آرزو تو نہ ہو۔ اس کا جائزہ ہر شخص خود لگا سکتا ہے' ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ⑭﴾ (القیٰمۃ) ''بلکہ آدمی اپنے لیے آپ دلیل ہے''۔ ہر انسان کو خوب معلوم ہے کہ میں کہاں کھڑا ہوں۔ آپ کا دل آپ کو

جاری ہے

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

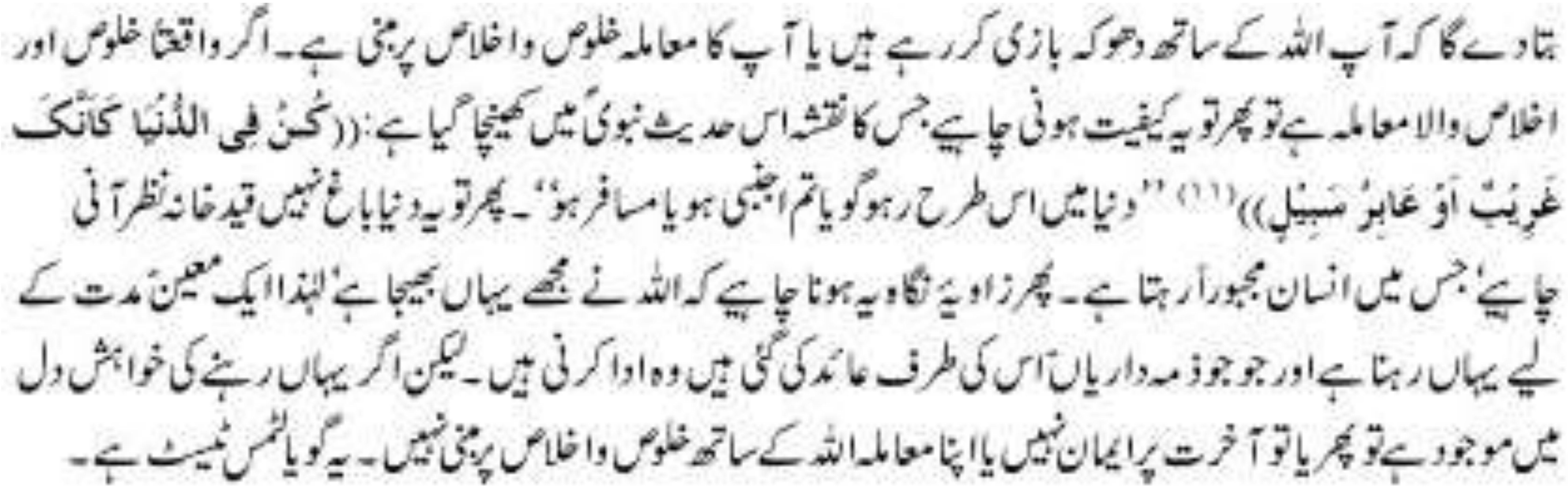

بتادے گا کہ آپ اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں یا آپ کا معاملہ خلوص و اخلاص پر مبنی ہے۔ اگر واقعتاً خلوص اور اخلاص والا معاملہ ہے تو پھر تو یہ کیفیت ہونی چاہیے جس کا نقشہ اس حدیث نبویؐ میں کھینچا گیا ہے: ((کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ))(۱۱) ''دنیا میں اس طرح رہو گویا تم اجنبی ہو یا مسافر ہو''۔ پھر تو یہ دنیا باغ نہیں قید خانہ نظر آنی چاہیے' جس میں انسان مجبوراً رہتا ہے۔ پھر زاویۂ نگاہ یہ ہونا چاہیے کہ اللہ نے مجھے یہاں بھیجا ہے' لہٰذا ایک معیّن مدت کے لیے یہاں رہنا ہے اور جو جو ذمہ داریاں اس کی طرف عائد کی گئی ہیں وہ ادا کرنی ہیں۔ لیکن اگر یہاں رہنے کی خواہش دل میں موجود ہے تو پھر یا تو آخرت پر ایمان نہیں یا اپنا معاملہ اللہ کے ساتھ خلوص و اخلاص پر مبنی نہیں۔ یہ گویا لٹمس ٹیسٹ ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝٩٥

مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(۶۴) یہ بھی قرآنِ کریم کی طرف سے ایک چیلنج تھا جسے قبول کرلینا ان کے لئے کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ وہ بآسانی کم از کم زبان سے علی الاعلان موت کی تمنا کر کے دِکھا سکتے تھے، لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ خدائی چیلنج ہے، اس لئے ایسی تمنا کا اظہار انہیں فوراً قبر میں پہنچا دے گا، اس لئے کسی نے ایسی جرأت نہیں کی۔

ڈاکٹر مفتی عبدالواحدؒ (تفسیر فہم قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

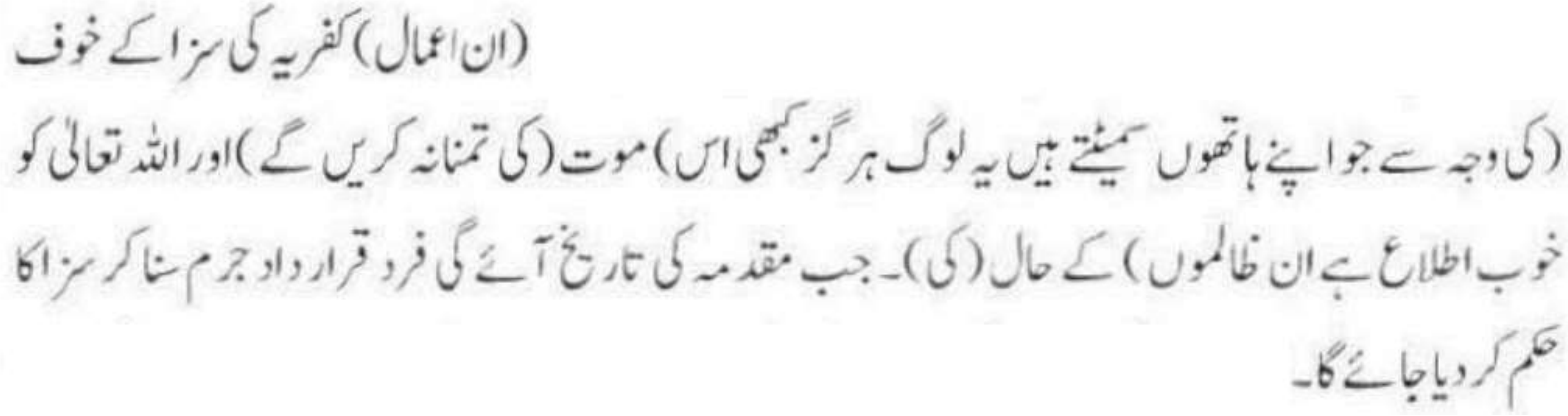

(ان اعمال) کفریہ کی سزا کے خوف
(کی وجہ سے جو اپنے ہاتھوں سمیٹتے ہیں یہ لوگ ہر گز کبھی اس) موت (کی تمنا نہ کریں گے) اور اللہ تعالیٰ کو
خوب اطلاع ہے ان ظالموں) کے حال (کی)۔ جب مقدمہ کی تاریخ آئے گی فرد قرار داد جرم سنا کر سزا کا
حکم کر دیا جائے گا۔

مولانا ابو نعمان سیف اللہ خالدؒ (دعوۃ القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

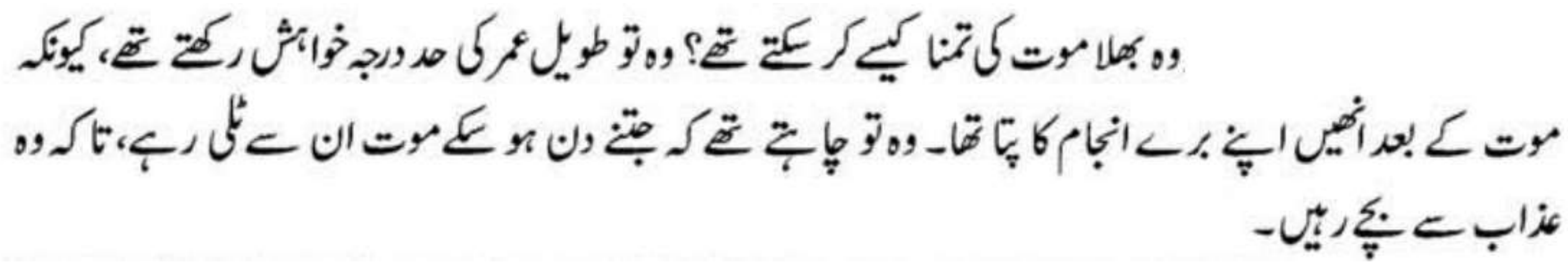

وہ بھلا موت کی تمنا کیسے کر سکتے تھے؟ وہ تو طویل عمر کی حد درجہ خواہش رکھتے تھے، کیونکہ موت کے بعد انھیں اپنے برے انجام کا پتا تھا۔ وہ تو چاہتے تھے کہ جتنے دن ہو سکے موت ان سے ٹلی رہے، تا کہ وہ عذاب سے بچے رہیں۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبیؒ (تفسیر قرطبی میں) فرماتے ہیں کہ:

پس وہ اپنے اعمال

کی قباحت اور نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (المائدہ:18) کے قول کی وجہ سے اپنے کفر کی معرفت کی وجہ سے اور دنیا پر حرص کی وجہ سے موت کی تمنا کرنے سے رک گئے (1)۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے اپنے سچے قول کے ساتھ خبر دی وَلَنۡ يَّتَمَنَّوۡهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ۝ یہ ان کے جھوٹ کی تحقیق کے طور پر فرمایا اگر وہ تمنا کرتے تو مر جاتے اور اپنا ٹھکانا دوزخ میں دیکھ لیتے۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے انہیں تمنا کے اظہار سے پھیر دیا اور اس سے روک دیا تاکہ نبی کریم ﷺ کے لئے معجزہ بن جائے۔ یہ تین وجوہ تھیں ان کے تمنا کو ترک کرنے کی۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ کے تحت روایت کیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ ہم میں سے اور تم میں سے ایک فریق کے جھوٹا ہونے پر موت کی دعا تو کرو (2)۔ تو انہوں نے دعا نہ کی کیونکہ انہیں اپنے جھوٹا ہونے کا علم تھا۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ
يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ
مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ ع

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

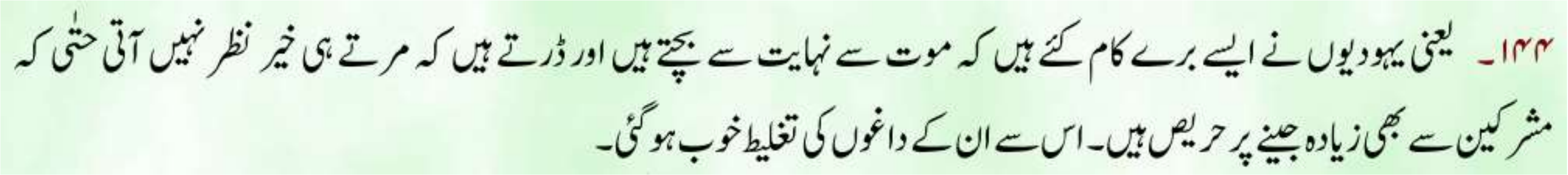

۱۴۴۔ یعنی یہودیوں نے ایسے برے کام کئے ہیں کہ موت سے نہایت سے بچتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ مرتے ہی خیر نظر نہیں آتی حتیٰ کہ مشرکین سے بھی زیادہ جینے پر حریص ہیں۔ اس سے ان کے داغوں کی تغلیط خوب ہوگئی۔

مفتی شفیعؒ عثمانی (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

فائدہ:- اس میں حیرت و استبعاد کی وجہ یہ ہی کہ مشرکینِ عرب تو آخرت کے منکر تھے، انکی بہار اور عیش تو جو کچھ ہے دنیا ہی ہے، اس لئے وہ اگر طولِ عمر کی تمنا کریں تو چنداں عجیب نہیں، مگر یہود تو آخرت کے قائل اور بزعمِ خود آخرت کی نعمتوں کا اپنے آپ ہی کو مستحق کہتے تھے، پھر بھی وہ دنیا میں رہنے کی تمنا کریں، یہ ہے حیرت و تعجب کی بات۔

پس باوجود اعتقادِ آخرت کے طولِ عمر کی تمنا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ نعمت اخروی کا اپنے آپ کو مستحق سمجھنے کا دعوٰی صرف دعوٰی ہی ہے، حقیقت جو ہے اس کو یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ وہاں پہنچ کر جہنم ہی ٹھکانا بنے گا، اس لئے جب تک بچے رہیں تب تک ہی سہی!

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

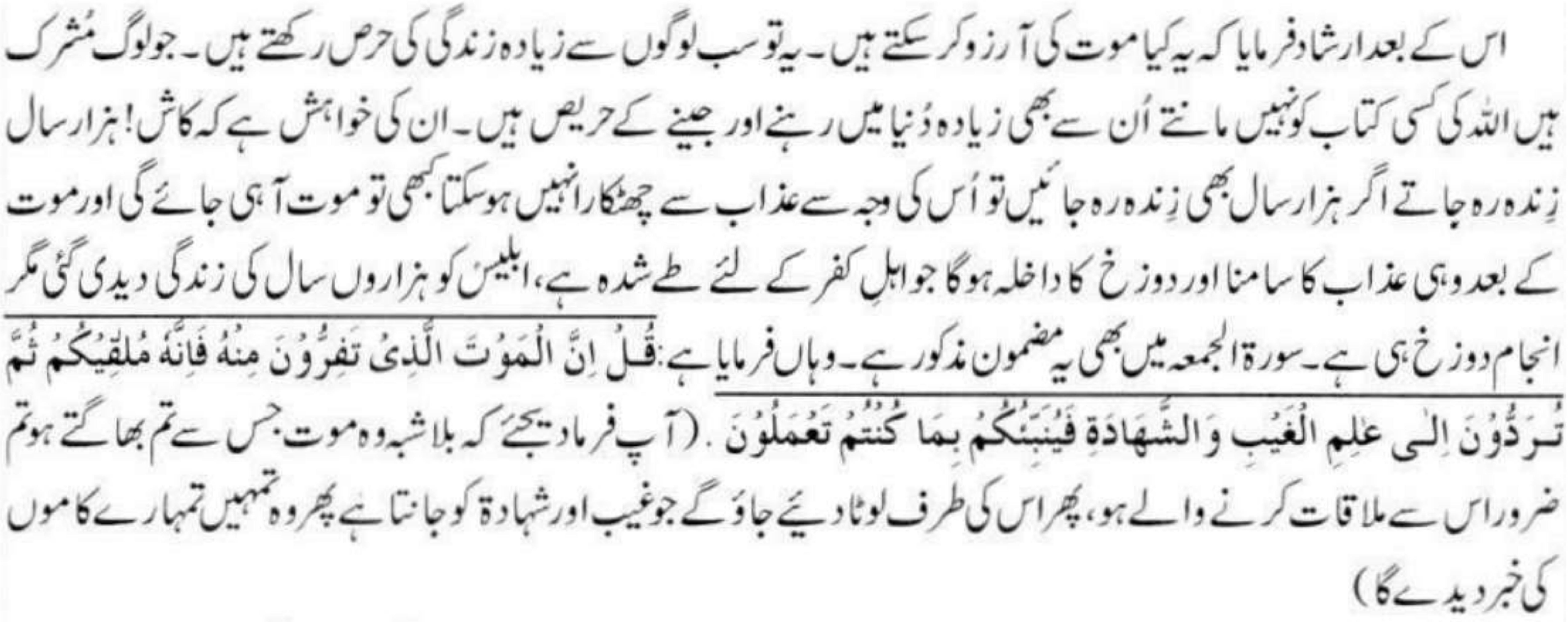

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ کیا موت کی آرزو کر سکتے ہیں۔ یہ تو سب لوگوں سے زیادہ زندگی کی حرص رکھتے ہیں۔ جو لوگ مُشرک ہیں اللہ کی کسی کتاب کو نہیں مانتے اُن سے بھی زیادہ دُنیا میں رہنے اور جینے کے حریص ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ کاش! ہزار سال زِندہ رہ جاتے اگر ہزار سال بھی زِندہ رہ جائیں تو اُس کی وجہ سے عذاب سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔ کبھی تو موت آ ہی جائے گی اور موت کے بعد وہی عذاب کا سامنا اور دوزخ کا داخلہ ہوگا جو اہلِ کفر کے لئے طے شدہ ہے، ابلیس کو ہزاروں سال کی زندگی دیدی گئی مگر انجام دوزخ ہی ہے۔ سورۃ الجمعہ میں بھی یہ مضمون مذکور ہے۔ وہاں فرمایا ہے: قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. (آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو تم ضرور اس سے ملاقات کرنے والے ہو، پھر اس کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے جو غیب اور شہادۃ کو جانتا ہے پھر وہ تمہیں تمہارے کاموں کی خبر دیدے گا)

مولانا ابو نعمان سیف اللہ خالدؒ (دعوۃ القرآن میں) فرماتے ہیں کہ :

اس آیت میں فرمایا کہ آپ یہود کو زندہ رہنے پر سب لوگوں سے زیادہ حریص پائیں گے، خواہ انھیں کسی بھی طرح زندہ رہنا پڑے، غلام بن کر یا عزت و آبرو کی بربادی کے ساتھ۔ مشرکین بھی زندہ رہنے کے بہت خواہش مند ہیں، کیونکہ ان کے سامنے صرف دنیا ہی کی لذتیں ہیں، آخرت پر ان کا یقین نہیں، نہ آخرت سے انھیں کچھ خوف ہے اور نہ امید۔ مگر یہودی زندہ رہنے کے ان سے بھی زیادہ حریص ہیں، کیونکہ مشرکین مرنے کے بعد زندہ ہونے کا عقیدہ ہی نہیں رکھتے، اس لیے وہ موت سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا یہودی ڈرتے ہیں۔ جنھیں خوب علم ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ کو جاننے پہچاننے کے باوجود ان کے ساتھ کفر کے نتیجے میں انھیں کیا رسوائی اٹھانا پڑے گی، اس لیے ان کا ہر شخص ہزار برس زندہ رہنے کی خواہش رکھتا ہے، خواہ کیسی ہی ذلیل زندگی ہو، کیونکہ آخرت کے عذاب سے تو بہر حال وہ بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے کسی شخص کو لمبی عمر مل بھی جائے تو وہ اسے عذاب سے بچانے والی ہرگز نہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (تفسیر مظہری میں) فرماتے ہیں کہ:

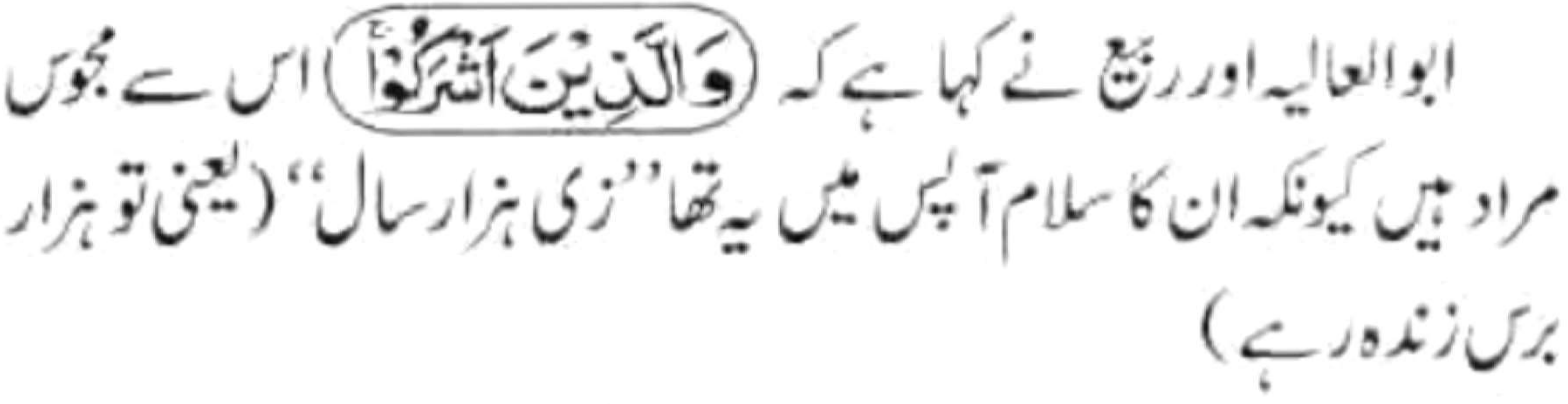

ابوالعالیہ اور ربیع نے کہا ہے کہ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اس سے مجوس مراد ہیں کیونکہ ان کا سلام آپس میں یہ تھا ”زی ہزار سال“ (یعنی تو ہزار برس زندہ رہے)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

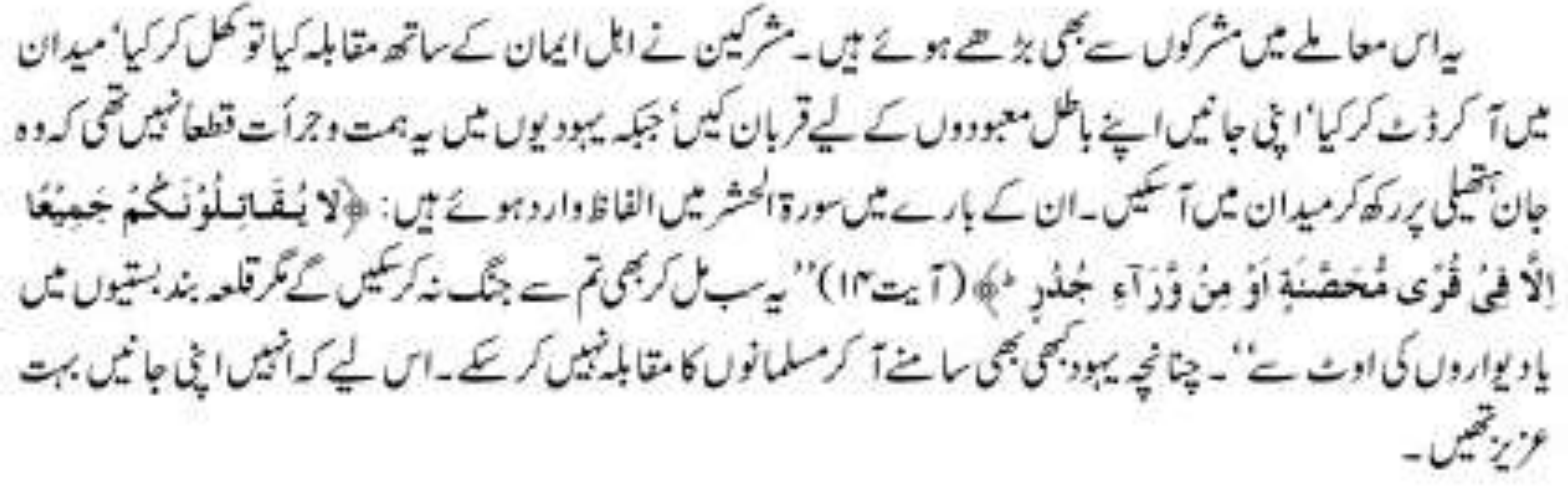

یہ اس معاملے میں مشرکوں سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ مشرکین نے اہل ایمان کے ساتھ مقابلہ کیا تو کھل کر کیا' میدان میں آ کر ڈٹ کر کیا' اپنی جانیں اپنے باطل معبودوں کے لیے قربان کیں' جبکہ یہودیوں میں یہ ہمت و جرأت قطعاً نہیں تھی کہ وہ جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آ سکیں۔ ان کے بارے میں سورۃ الحشر میں الفاظ وارد ہوئے ہیں: ﴿لَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قُرًی مُّحَصَّنَۃٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ﴾ (آیت ۱۴) ''یہ سب مل کر بھی تم سے جنگ نہ کر سکیں گے مگر قلعہ بند بستیوں میں یا دیواروں کی اوٹ سے''۔ چنانچہ یہود کبھی بھی سامنے آ کر مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ اس لیے کہ انہیں اپنی جانیں بہت عزیز تھیں۔

جاری ہے

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

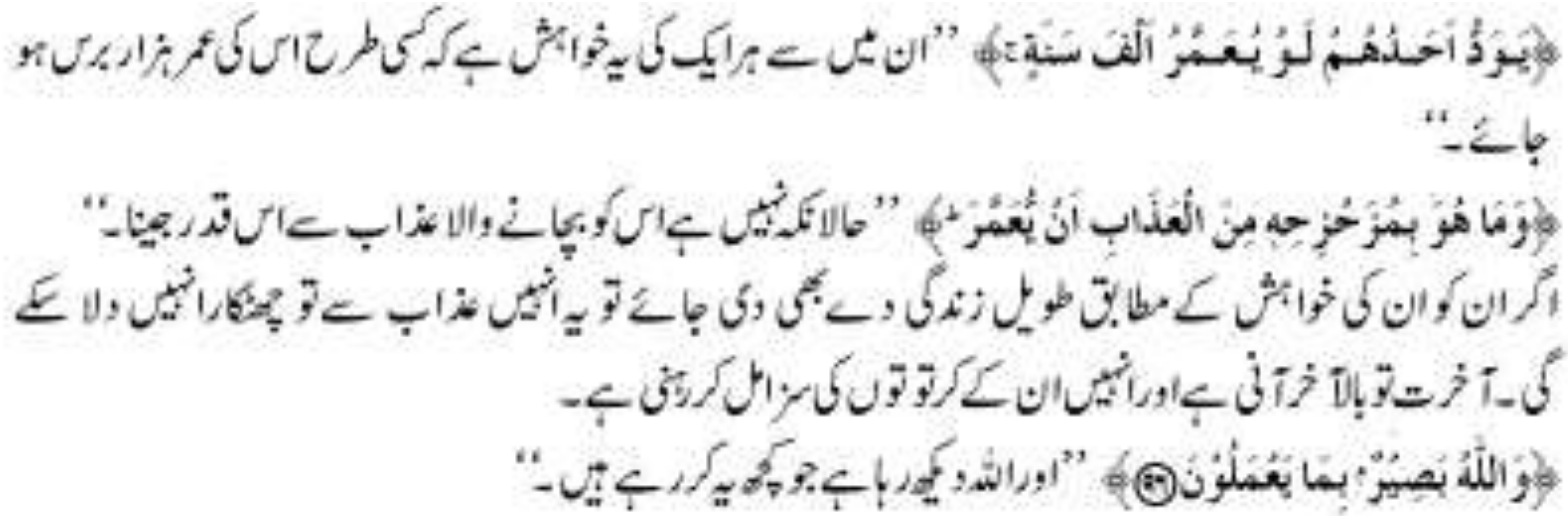

﴿یَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَۃٍ ۚ﴾ ''ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہے کہ کسی طرح اس کی عمر ہزار برس ہو جائے۔''

﴿وَمَا ھُوَ بِمُزَحْزِحِہٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ ۭ﴾ ''حالانکہ نہیں ہے اس کو بچانے والا عذاب سے اس قدر جینا۔'' اگر ان کو ان کی خواہش کے مطابق طویل زندگی دے بھی دی جائے تو یہ انہیں عذاب سے تو چھٹکارا نہیں دلا سکے گی۔ آخرت تو بالآخر آنی ہے اور انہیں ان کے کرتوتوں کی سزا مل کر رہنی ہے۔

﴿وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ ۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ۹۶﴾ ''اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔''

جزاكم الله واحسن الجزا